خطباتِ عثمانی

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر۱۔ کراچی ۱۹

خطاب	:	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت	:	2010,
باہتمام	:	محمد مشہود الحق کلیانوی :97 54 920 -0313
ناشر	:	میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ	:	خلیل اللہ فراز :0321-2606274
جلد	:	۲
قیمت	:	/= روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر:

ملنے کا پتے

☆ میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔ :20 88 214-0322

☆ مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور۔

☆ دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔

☆ ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔

☆ مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

☆ کتب خانہ اشرفیہ، دکان نمبر 33، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی۔

عرضِ مرتب

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کو ہر میدان میں جو بلند مقام عطا فرمایا ہے، وہ محتاج بیان نہیں، حضرت والا مدظلہم کے ہفتہ واری دو بیانات ہوتے ہیں، ایک بیان جمعہ کے روز جمعہ کی نماز سے قبل جامع مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال کراچی میں ہوتا ہے، دوسرا بیان اتوار کے روز عصر کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں ہوتا ہے، سالہا سال سے بیانات کا یہ سلسلہ جاری ہے، اور ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے ۱۸ر جلدوں پر مشتمل ان بیانات کا پہلا مجموعہ آپ حضرات کے سامنے آچکا ہے۔

کچھ عرصہ سے حضرت والا مدظلہم نے جامع مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع فرمایا ہے، جو بہت مفید سلسلہ ہے، اس سے تمام طبقہ کے حضرات کو فائدہ ہورہا ہے، بہت سے حضرات کی خواہش تھی کہ تفسیر کے اس سلسلے کو نمایاں طور پر شائع ہونا چاہیے، تاکہ اس سے استفادہ کرنا آسان ہوجائے، چنانچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''خطبات عثمانی'' کے نام سے دوسرے مجموعہ کا آغاز انہی تفسیری بیانات سے کیا جارہا ہے،

چونکہ ان تفسیری بیانات میں حضرت والا مدظلہم کے اسفار کی وجہ سے وقفات زیادہ ہو جاتے ہیں، اسلئے وقتی موضوعات اور دیگر موضوعات کے بیانات کو بھی ''خطبات عثمانی'' میں شامل کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے، اور آخرت کی نجات اور علم دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائے، آمین.

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

یکم ذوالقعدہ ١٤٣١ھ

اجمالی فہرست

خطباتِ عثمانی جلد نمبر : ۲

فہرستِ مضامین (تفصیلی فہرست)

عنوان	صفحہ نمبر

حاجت روا صرف اللہ ہے

تفسیر سورۃ الاخلاص (۱)

ابولہب کا دنیوی اور اخروی انجام

﴿تفسیر سورۃ الہب (۱)﴾

عنوان	صفحہ نمبر

یہ مال ودولت کام نہیں آئیگا

﴿تفسیر سورۃ الھب (۲)﴾

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

اللہ کا شکر نعمتوں میں زیادتی کا ذریعہ

تفسیر سورۃ النصر (۲)

ہر عبادت کے بعد دو کام، شکر اور استغفار

تفسیر سورۃ النصر (۳)

عنوان	صفحہ نمبر

سورۃ الکٰفرون (۱)

عنوان	صفحہ نمبر
سفر میں پڑھنے سے پریشانی ختم ہو جائے گی	۱۲۱
بچھو کے کاٹنے کا اثر جاتا رہا	۱۲۲
اس سورت کا شان نزول	۱۲۲
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کر سکتا	۱۲۳
کفار کی دوسری اور تیسری پیشکش	۱۲۴
تم اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے	۱۲۵
تمہارا خدا اور ہمارا اللہ	۱۲۶
میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرونگا	۱۲۷
تم آئندہ بھی ایمان نہیں لاؤ گے	۱۲۷
میرے لئے میرا دین، اور تمہارے لئے تمہارا دین	۱۲۸
سورۃ الکٰفرون (۲)	
تمہید	۱۳۱
سورۃ الکٰفرون کے فضائل	۱۳۲
کفار کی طرف سے صلح کی پیش کش	۱۳۲
سورۂ کافرون کا ترجمہ	۱۳۳
کافر اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے	۱۳۴
اللہ کے نام سے شروع کرتے	۱۳۵
وہ دیوتاؤں کو شریک سمجھتے تھے	۱۳۵
کافر سمندری طوفان میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے	۱۳۶

عنوان	صفحہ نمبر

سورۃ الماعون اور اسکا پس منظر (۱)

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

واقعہ معراج

عنوان	صفحہ نمبر
انسانیت کا اعلیٰ ترین مقام بندگی	۲۲۳
بندگی مکمل اطاعت کا نام ہے	۲۲۴
اس رات میں کوئی خاص عمل ثابت نہیں	۲۲۵
رجب کا روزہ ثابت نہیں	۲۲۵
ماہ شعبان کی فضیلت	
ماہ رجب کا چاند دیکھ کر دعاء مسنون	۲۲۹
ماہ شعبان میں روزوں کی کثرت	۲۳۰
ماہ شعبان میں قضا روزے	۲۳۱
رمضان سے دو دن پہلے روزہ نہ رکھنا	۲۳۱
رمضان کے روزوں میں اضافہ ہو جائے گا	۲۳۱
سحری بالکل آخری وقت میں کھاؤ	۲۳۲
افطاری میں تاخیر مت کرو	۲۳۳
اصل چیز اللہ کے حکم کی اتباع	۲۳۳
شب برأت میں عبادت	۲۳۴
اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا	۲۳۴
شب برأت میں حلوہ پکانا	۲۳۵
شب برأت میں آتش بازی	۲۳۶
اس رات میں عبادت کا طریقہ	۲۳۷
یہ رات فضولیات میں صرف ہو رہی ہ	۲۳۷

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داری

عنوان	صفحہ نمبر

حاجت روا صرف اللہ ہے

تفسیر سورۂ اخلاص (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	30th-Apr-2010
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر 2

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حاجت روا صرف اللہ ہے

(تفسیر سورۃ اخلاص)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۞ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۞ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

سورت کی وجہ تسمیہ

بزرگان محترم اور برادران عزیز، جو سورت میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ سورۃ اخلاص کہلاتی ہے، ؛اخلاص؛ کے معنی ہیں کسی چیز کو اللہ کے

لئے خالص کرنا، چونکہ اس مبارک سورت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کو خالص کرنے کا حکم ہے کہ عبادت خالص کے لئے ہو، اس کے ساتھ کوئی ملاوٹ نہ ہو، اس لئے اس کو سورۃ اخلاص کہا جاتا ہے۔

اس سورت کا شان نزول

اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں توحید کی دعوت کا آغاز کیا، آپ جانتے ہیں کہ اس وقت مکہ مکرمہ ہی میں نہیں، بلکہ پورے عرب اور پوری دنیا میں بت پرستی کا زبردست رواج تھا، لوگ اپنے ہاتھوں سے بت بناتے، اور ان کو پوجتے تھے، اور ان بتوں کو اپنا مشکل کشا، اپنا حاجت روا، اور کارساز سمجھتے تھے، اور کسی بت کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ ہمیں رزق دیتا ہے، کسی بت کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمیں صحت دیتا ہے، شفا دیتا ہے، کسی بت کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمیں اولاد دیتا ہے، بہت سارے من گھڑت خداؤں کو اپنا معبود بنایا ہوا تھا، اور انہی کی عبادت کرتے تھے۔

عبادت کے لائق صرف اللہ ہیں

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت کا آغاز فرمایا تو آپ نے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ جو بت تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں، یہ کیسے تمہاری مشکل دور کرسکتے ہیں؟ یہ کیسے تمہاری حاجتیں پوری کرسکتے ہیں، حاجتیں تو وہی پوری کرسکتا ہے جس نے اس پوری کائنات کو پیدا

کیا ہے، جو تمہارا بھی خالق ہے، تمہارے آباء واجداد کا بھی خالق ہے، آسمان زمین، پہاڑ، دریا، سمندر، ہوائیں، سورج چاند، سب اسی ذات کے پیدا کیئے ہوئے ہیں، تو عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے، کسی اور کی نہیں کرنی چاہیے، اور -لَا اِلٰـہ اِلَّا اللّٰـہ- کے معنی بھی یہی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق نہیں، یہ دعوت آپ نے مکہ کے لوگوں کے سامنے پیش کی۔

جاہلوں کا جاہلانہ سوال

اس وقت بعض جاہل قسم کے مشرکوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کے بنے ہوئے ہیں؟ کس مادے کے بنے ہوئے ہیں؟ سونے کے بنے ہوئے ہیں؟ چاندی کے بنے ہوئے ہیں؟ لوہے کے بنے ہوئے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے دماغوں میں خدا کا تصور بتوں کی طرح کا تھا کہ کوئی بت پتھر کا بنا ہوا ہے، کائی پیتل کا بنا ہوا ہے، کوئی لوہے کا بنا ہوا ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمہارا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے، اس کے سوا تو کوئی معبود نہیں، تو ان جاہلوں نے یہ سوال کیا کہ اللہ میاں کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ بعض جاہلوں نے تو یہ سوال کیا۔

خدا وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کا محتاج نہ ہو

دوسرے بعض جاہلوں نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کا نسب نامہ کیا ہے؟ یعنی حسب نسب اور شجرۂ نسب کیا ہے؟ کیونکہ جب دنیا میں ہم کسی کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس کے بیٹے ہو؟ تمہارا باپ کون تھا؟

تمہارا دادا کون تھا؟ اس کا نسب ہم معلوم کرتے ہیں، تو اللہ میاں کا کیا نسب ہے؟ وہ کس کے بیٹے ہیں؟ اور کس کے پوتے ہیں؟ اس طرح کے جاہلانہ اور فضول سوالات کئے، حالانکہ اگر ذرا سی بھی عقل ہو تو آدمی سوچ لے کہ اگر اللہ میاں بھی ان بتوں کی طرح پتھر، یا پیتل یا لوہے یا سونے سے بنے ہوئے ہوں، تو پھر وہ خدا تو نہ ہوئے، خدا تو وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا، سب لوگ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اگر وہ سونے کا بنا ہوا ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سونا پہلے وجود میں آیا، اور اللہ میاں بعد میں وجود میں آئے، اور سونے کو کسی نے ڈھال کر۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی شکل میں بنا دیا تو اللہ تعالیٰ وجود میں آگئے، معمولی سمجھ کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا تھا، لیکن انہوں ایسے فضول سوالات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے، اس پر یہ سورۂ اخلاص نازل ہوئی، جس میں بڑے عجیب انداز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات بیان فرمائی گئیں۔

یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم لوگ سب جمع ہو جاؤ، میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن کریم کی تلاوت کروں گا، جب صحابہ کرام جمع ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی، اور پھر فرمایا کہ سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے، اس لئے فقہاء کرام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا کہ اگر کوئی شخص سورۂ اخلاص کی تلاوت کرلے تو اس کو ایک تہائی قرآن کی تلاوت

کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین مرتبہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کرلے تو گویا اس نے پورے قرآن کریم کی تلاوت کرلی۔

یہ محبت تمہیں جنت میں داخل کردے گی

چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کسی کے لئے ایصال ثواب کیا جاتا ہے، یا کسی کی قبر پر جاکر سلام کیا جاتا ہے، تو سلام کے بعد تین مرتبہ -قل ھو اللّٰہ- پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے، کیونکہ یہ ایسا ہو جائے گا جیسے پورا قرآن شریف پڑھ کر اس کا ثواب پہنچادیا، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی اپنی نمازوں میں -قل ھو اللّٰہ- احد بکثرت پڑھا کرتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم بہت کثرت سے پڑھا کرتے ہو، اس کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ، مجھے اس سورت سے بہت محبت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ. جو تم اس سورت سے محبت کرتے ہو تو یہ محبت تمہیں جنت میں داخل کردے گی، بہر حال، اس اعتبار سے اس سورت کی بڑی فضیلت ہے۔

یہ سورت حاجتوں کی کفایت کا ذریعہ

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ سورت صبح شام پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجتوں کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، اور فرمایا کہ رات کو آدمی اس وقت تک نہ سوئے جب تک یہ تین سورتیں یعنی -قل ھو اللّٰہ احد. قل اعوذ برب الفلق. قل اعوذ برب الناس- کی

تلاوت نہ کرلے، احادیث میں اس سورت کی یہ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، بہر حال، یہ سورت بڑی عظیم سورت ہے، اگرچہ مختصر ہے، مگر بڑی جامع ہے۔

وہ اللہ تو ایک ہی ہے

اب سورت کا ترجمہ اور مطلب سمجھئے، اس سورت کی پہلی آیت ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

قل؛ کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کہہ دیجئے، یعنی جو لوگ آپ سے فضول سوالات کر رہے ہیں، کوئی یہ سوال کر رہا ہے کہ اللہ میاں کس چیز کے بنے ہوئے ہیں؟ کوئی سوال کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نسب نامہ کیا ہے؟ ان سب سے کہہ دو کہ بات یہ ہے کہ اللہ تو ایک ہے، لفظ لائے ہیں-اَحَدٌ- جبکہ عربی زبان میں-وَاحِدٌ-بھی ایک کے معنی کے لئے بولا جاتا ہے، لیکن دونوں میں فرق ہے، ہمارے پاس اردو زبان میں ترجمہ کرنے اور ان دونوں کے فرق کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے، اس لئے ہم-وَاحِدٌ- کا ترجمہ بھی ایک سے کرتے ہیں، اور-اَحَدٌ- کا ترجمہ بھی ایک سے کرتے ہیں، لیکن عربی زبان بڑی وسیع زبان ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عربی زبان میں کوئی لفظ مرادف نہیں، یعنی ہم معنی لفظ کوئی نہیں ہے، بلکہ ہر لفظ میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوتی ہے، جو دوسرے لفظ میں موجود نہیں ہوتی۔

وَاحِدٌ اور اَحَدٌ کے درمیان باریک فرق

لفظ-اَحَدٌ-اور-اَحَدٌ- میں فرق یہ ہے کہ-وَاحِدٌ- مقابل میں ہوتا ہے

اِثْنَیْنِ، ثَلاَ ثَـہ، اَرْبَعَہ کے، جیسے ایک مقابلے میں ہے دو، اور تین اور چار کے، اگر یہ کہ جائے کہ اللہ واحد ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا دو نہیں، تین نہیں، چار نہیں، پانچ نہیں بلکہ ایک ہے، گویا کہ ایک سے زیادہ کی نفی کیلئے -وَاحِدٌ- کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور -اَحَدٌ- اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی جز نہ ہو، مثلاً ایک چیز ہے جو دس چیزوں سے مل کر بنی ہے، جیسے کرسی ایک ہے، لہٰذا یہ- وَاحِدٌ- تو ہے، لیکن -اَحَدٌ- نہیں ہے، اس لئے کہ یہ کرسی کئی چیزوں سے مل کر بنی ہے، لکڑی، پھرتے کی لکڑی الگ ہے، پائے کی لکڑی الگ ہے، پشت کی لکڑی الگ ہے، اس میں کشن بھی ہے، کیلیں بھی لگی ہوئی ہیں، لہٰذا یہ کرسی -وَاحِدٌ- تو ہے، لیکن -اَحَدٌ- نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں بہت سے اجزاء ہیں، اور ان اجزاء سے مل کر یہ ایک کرسی بنی ہے۔ " اَحَدٌ " اسے کہیں گے جس کا کوئی جز نہ ہو، اور کسی سے مل کر نہ بنا ہو، اس کے کوئی اجزاء ترکیبی نہ ہوں، جس سے وہ مل کر بنا ہو۔

اللہ تعالیٰ مادے اور اجزاء سے پاک ہے

فرمایا کہ -ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ- وہ اللہ تو -اَحَدٌ- ہے، یعنی وہ تو کسی چیز سے نہیں بنا، اس کے اجزاء نہیں ہیں، جیسے تمہارے بت ہیں کہ کوئی سونے سے بنا ہے، کوئی تانبے سے، کوئی پیتل سے بنا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی جز نہیں کوئی مادہ نہیں، وہ تو ایک ایسی ذات ہے کہ تمام ذاتوں کی خالق ہے، ساری کائنات میں جو جو چیزیں پائی جاتی ہیں، چاہے وہ چھوٹی ہو، یا بڑی ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ -اَحَدٌ- ہے، اس کا کوئی جز نہیں، وہ کسی چیز سے مرکب نہیں، لہٰذا یہ سوال

ہی بیکار ہے کہ کیا وہ خدا سونے سے بنا ہوا ہے، یا پیتل سے بنا ہوا ہے، یا لوہے سے بنا ہوا ہے، بلکہ وہ تو -احد- ہے۔

اس کو کسی کی ضرورت نہیں

اب سوال یہ ہے کہ وہ -اَحَدٌ- کیوں ہے؟ اس کے اجزاء کیوں نہیں ہیں؟ اس لئے کہ -اَللّٰہُ الصَّمَدُ- وہ اللہ صمد ہے -صَمَد- بھی ایسا لفظ ہے کہ اس کا اردو میں ٹھیک ترجمہ کرنا بڑا مشکل ہے، اگر قرآن کریم کے ترجمے کو اٹھا کر دیکھو تو -صَمَدٌ- کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا گیا ہے کہ، اللہ بے نیاز ہے، لیکن اس سے اس لفظ کا پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا -صَمَدٌ- عربی زبان میں ایسی ذات کو کہتے ہیں کہ ساری مخلوقات اس کی محتاج ہو، اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو، یعنی جس مخلوق کو جو حاجت اور ضرورت پیش آئے، وہ اس کے پاس آئے، اور وہ کبھی کسی کا محتاج نہ ہو، اس کو کبھی کسی کی ضرورت نہ ہو، اس کے ساتھ کبھی ایسا نہ ہوتا ہو کہ اس کو ضرورت پیش آئی تو کسی دوسرے کے پاس جا کر اپنی ضرورت پوری کرائے، بلکہ وہ سب کا کارساز ہو، اور سب کی حاجتیں پوری کرنے والا ہو، اس کو کسی کی حاجت نہ ہو، ایسی ذات کو -صَمَدٌ- کہتے ہیں، جب یہ فرمایا کہ -اَللّٰہُ الصَّمَدُ- اللہ تعالیٰ -صَمَد- ہے، یعنی سب کو اس کی ضرورت ہے، اور اس کو کسی کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بنا ہوا نہیں

چونکہ سب کو اس ضرورت ہے، اور اس کو کسی کی ضرورت نہیں، تو اگر بالفرض وہ کسی چیز سے مثلاً سونے سے، چاندی سے، لوھے سے بنا ہوا ہوتا تو اس کا مطلب

یہ تھا کہ وہ اپنے وجود میں اس سونے کا محتاج ہے، مثلاً فرض کرو ایک زیور سونے کا بنا ہوا ہے، گویا کہ وہ زیور وجود میں نہیں آسکتا، جب تک پہلے سے وہ سونا موجود نہ ہو، جب سونا ہوگا اور اس سونے کو ڈھالا جائے گا، تب زیور بنے گا، گویا وہ زیور اپنے وجود میں آنے کے لئے سونے کا محتاج ہے۔ اسی طرح اگر -نعوذ باللہ- اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جائے کہ وہ سونے کا بنا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے کے محتاج ہو گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بنے ہوئے نہیں ہو سکتے۔

ہر چیز اس کی محتاج ہے

دوسری ساری مخلوق اس کی محتاج ہے، لہٰذا سونا بھی اس کا محتاج ہے، کیونکہ وہ سونا وجود میں نہیں آسکتا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو پیدا نہ کرے، لہٰذا سونا تو خود اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، جب اللہ تعالیٰ اس کو پیدا نہیں کرے گا، اس وقت تک پیدا نہیں ہوگا، لہٰذا سونا بعد میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے وجود میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پہلے ہی موجود تھے، لہٰذا سونا ہو، چاندی ہو، یا لوھا ہو، یا پیتل ہو، یا پتھر ہو، یا کوئی اور چیز ہو، اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بنا ہوا نہیں، یا مثلاً انسان گوشت پوست اور ھڈیوں کا بنا ہوا ہے، لہٰذا انسان گوشت پوست اور ھڈیوں کا محتاج ہے، اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو انسان کا وجود ہی ختم ہو جائے، جب کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ گوشت ہے، نہ پوست ہے، نہ ھڈی ہے، نہ سونا ہے، نہ چاندی ہے، نہ پیتل ہے، نہ لوہا ہے، نہ کوئی اور مادہ ہے، وہ تو ایسی ذات ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، اور وہ

کسی کا محتاج نہیں، یہ معنی ہیں-اَللّٰہُ الصَّمَدُ- کے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی باپ نہیں

آگے ارشاد فرمایا-لَمْ یَلِدْ، وَلَمْ یُوْلَدْ- یہ درحقیقت ان لوگوں کے لئے جواب ہے جو یہ سوال کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نسب نامہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا باپ دادا کون ہے؟ اور اس کی اولاد کون ہے؟ فرمایا کہ نہ اس نے کسی جنا، اور نہ وہ کسی سے جنا گیا، یعنی نہ اس کا کوئی باپ ہے، اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے، کیوں نہیں ہے؟ اس لئے کہ جب وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، سب اس کے محتاج ہیں، تو اگر یہ کہا جائے کہ وہ کسی باپ سے پیدا ہوا تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ وہ باپ کا محتاج ہو گیا، اس لئے کہ بیٹا اپنے وجود میں آنے میں باپ کا محتاج ہوتا ہے، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کہا کہ وہ کسی باپ سے جنا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ باپ کا محتاج ہو گیا، حالانکہ وہ کسی کا محتاج نہیں، اس کا کوئی باپ نہیں۔

اللہ کا کوئی بیٹا نہیں

اسی طرح اس کا کوئی بیٹا نہیں، کوئی اولاد نہیں، اس کے ذریعہ ان لوگوں کی تردید کر دی جو اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا مانتے تھے، جیسے عیسائی لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، ارے بیٹا تو باپ کا ایک جز ہوتا ہے، باپ ہی سے نکلتا ہے، جب یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی جز ہی نہیں، وہ تو ہر جز سے بے نیاز ہے، تو پھر اس کے لئے بیٹا کیسے ہوگا؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا، -لَمْ یَلِدْ- اس نے کسی کو نہیں جنا۔

دوخدا ہو جاتے

دوسری بات یہ ہے کہ-العیاذ باللہ- اگر فرض کرو اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سوال یہ ہے کہ وہ بھی خدا ہوتا، یا نہ ہوتا، اگر وہ بھی خدا ہو جاتا تو دو خدا ہو جاتے، اور ایک خدا سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں، اس وجہ سے اس کا بیٹا نہیں، لہٰذا جن لوگوں نے اس کا بیٹا بنایا، ان کی نفی بھی اس جملہ سے فرما دی کہ-لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ- نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

کوئی اس کا ہم پلہ نہیں

آخر میں فرمایا-وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ- اور نہ کوئی اس کا ساجھی ہے، یعنی کوئی اس کا ہم پلہ نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس جیسا کوئی اور نہیں، اور جتنی مخلوقات پائی جاتی ہیں، ان کا مثل بھی ہوتا ہے، ایک انسان ہے دوسرا انسان اس کے ہم پلہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ، اللہ تعالیٰ کا ساجھی، اللہ تعالیٰ کا شریک کوئی نہیں، فرمایا کہ-قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ- کہہ دو کہ وہ اللہ ایک ہی ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور اس کا کوئی ساجھی نہیں، یہ ہے اس سورت کا ترجمہ اور تشریح۔

عبادت صرف اللہ کی کی جائے

چونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں، اور اس میں توحید کی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے، اب بندہ کا کام یہ ہے کہ جب عبادت کرے تو

صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اللہ کے علاوہ کسی کی بھی، چاہے وہ کوئی بت ہو، چاہے وہ کوئی فرشتہ ہو، چاہے وہ کوئی نبی ہو، یا ولی ہو، کسی کی بھی عبادت نہیں، عبادت صرف اللہ کے لئے ہے، اس لئے اس سورت کو سورۃ الاخلاص کہا جاتا ہے، کہ یہ اخلاص کی سورت ہے کہ جس میں ملاوٹ کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ ہیں

چونکہ اس سورت میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ ہی -صَمَد- ہے، یعنی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، تو پھر حاجت روا، مشکل کشا، کارساز اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا، اگر حاجتیں پوری کرے گا تو وہی کرے گا، مشکلیں دور کرے گا تو وہی کرے گا، بگڑی بنائے گا تو وہی بنائے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو حاجت روا، مشکل کشا، کارساز، بگڑی بنانے والا نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو وہ صفت دیدی جو صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تھی، لہٰذا ہمارے معاشرے میں بعض الفاظ بعض لوگوں کے لئے اس طرح مشہور ہوگئے ہیں، یہ صحیح طریقہ نہیں ہے، کسی بڑے سے بڑے ولی اللہ کے بارے میں، بڑے سے بڑے بزرگ کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ وہ مشکل کشا ہے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ''علی مشکل کشا'' -اللہ بچائے- یہ الفاظ شرک کا وہم پیدا کرنے والے ہیں، اس لئے کہ مشکل کشا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

دوسروں کی مدد اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے

البتہ اسباب بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، لہٰذا کوئی شخص کسی بیماری کے اندر مبتلا تھا، آپ نے اس کی کوئی مدد کر دی، تو وہ مدد بھی درحقیقت آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کی، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو یہ مدد آپ نہ کر پاتے، بندوں کی بس میں نہیں کہ وہ دوسروں کی مدد کر سکے، لیکن اس کے نتیجے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ آپ اس کے ''مشکل کشا'' بن گئے، آپ اس کے حاجت روا بن گئے، نہیں، کسی بھی پیغمبر، نبی، ولی، بزرگ، کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مشکل کشا ہے، حاجت روا ہے، کارساز ہے، جائز نہیں، اللہ بچائے، یہ عمل انسان کو شرک کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

قبروں سے جا کر مانگنا شرک ہے

ہمارے معاشرے میں جہالت کی وجہ سے لوگ قبروں پر جا کر مرادیں مانگتے ہیں، کبھی بزرگ کی قبر پر گئے، اور ان سے کہا کہ داتا جی، ہمیں اولاد دے دو، داتا جی، ہمیں نوکری دلا دو، تو اس طرح اللہ کے علاوہ کسی اور سے مانگنا بالکل حرام ہے، اور۔ اللہ بچائے۔ اس میں شرک کا اندیشہ ہے۔ ہاں، دنیا میں انسان کسی دوسرے انسان سے مدد طلب کر لیتا ہے، یہ سمجھ کر نہیں کہ یہ میرا مشکل کشا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک سبب بنا دیا ہے، صرف سبب کے طور پر اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لیکن اس کو اپنی ذات میں مشکل کشا اور حاجت روا نہیں سمجھا جاتا، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ میرا مشکل کشا بن گیا، یا یہ میرا حاجت روا

بن گیا، اللہ بچائے، یہ انسان کو شرک کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

خلاصہ

دیکھو، یہ جو مشرکین مکہ تھے، یہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ یہ ہمارے بت ہماری حاجت روائی کرتے ہیں، یہ مشکل کشائی کرتے ہیں، ہمارے کام بناتے ہیں، اس وجہ سے ہم ان کو پوجتے ہیں، اس لئے ہر مسلمان کو ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ سورۂ اخلاص کا درس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھا جائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس پر صحیح ایمان رکھنے کی اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہ رب العٰلمین

ابولہب کا دنیوی اور اخروی انجام

تفسیر سورۂ لہب (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	26th-Mar-2010
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم الله الرحمٰن الرحیم

ابولہب کا دنیوی اور اخروی انجام

تفسیر سورۂ لہب (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ . بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ ۞ مَآاَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ۞سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ ۞ وَّامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ۞فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۞ آمنت باللّٰہ صدق اللہ مولا نا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین.

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۂ لہب ہے، جس کی میں نے ابھی

تلاوت کی ہے، یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جو اکثر مسلمانوں کو یاد ہوتی ہیں، اور نمازوں میں بکثرت پڑھی جاتی ہے، اس وقت اس سورت کی تفسیر پیش کرنی مقصود ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق اسکی صحیح تفسیر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سورت کا ترجمہ

پہلے اس سورت کا ترجمہ سن لیں، پھر اسکا شان نزول اور تشریح، اور اس سے نکلنے والی ہدایات کا انشاء اللہ ذکر کروں گا، اس سورت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں، اور وہ ٹوٹ گیا، نہ اسکا مال اس کے کچھ کام آیا، اور نہ اسکی کمائی اسکے کچھ کام آئی، وہ ایسی آگ میں داخل ہوگا جس کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے، اور اس کی بیوی بھی (آگ میں داخل ہوگی) یہ وہ بیوی ہے جو لکڑیاں لاد کر لانے والی ہے، اس کی گردن میں خوب بٹی ہوئی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہوگی، یہ ہے اس سورت کا ترجمہ۔

اس سورت کا پس منظر

اس سورت کا پس منظر اور شان نزول یہ ہے کہ ابولہب جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، اس کا اصلی نام عبدالعزّٰی تھا، لیکن اس کو ابولہب اس لئے کہا جاتا تھا کہ لہب کے معنی ہیں آگ کا سرخ شعلہ، چونکہ اس کا چہرہ سرخ وسفید تھا، اتنا سرخ تھا کہ دیکھنے میں شعلے کی طرح نظر آتا تھا، ابولہب کے معنیٰ ہیں، شعلے والا، یعنی اس کا چہرہ سرخی میں آگ کے شعلے کی چمکتا ہوا تھا، اس لئے اس کو ابولہب کہتے تھے۔

اپنے قبیلے والوں کو ڈرایئے

یہ رشتے میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، لیکن حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور عداوت میں بہت پیش پیش تھا، اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی، آپ کو پیغمبر بنایا گیا تو آپ کو ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء: ۲۱۴)

یعنی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو آگاہ کرو اور خبر دار کرو، کہ اگر انہوں نے کفر اور شرک کو نہ چھوڑا، اور توحید پر ایمان نہ لائے تو ان کا انجام بہت برا ہونے والا ہے، ان کو جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔

صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر آواز دینا

اس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان اسلام کی عام دعوت وتبلیغ شروع نہیں کی تھی، بلکہ اپنے طور پر اپنے گھر کے اندر دعوت اسلام کو محدود رکھا تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو ڈراؤ، اور جہنم کی آگ سے بچنے کے لئے ان کو تیار کرو، اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل میں اپنے پورے قبیلے کو جمع فرمایا، مسجد حرام کے قریب "صفا" پہاڑی ہے، یہ وہ پہاڑی ہے، جہاں سے "سعی" شروع کی جاتی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر چڑھے، اور اپنے خاندان کے لوگوں کو آواز دے کر جمع کیا۔وَاصَبَاحَاهُ۔یاقریش چونکہ اہل عرب میں زمانہ جاہلیت میں ہر وقت لڑائی جھگڑے کا سلسلہ جاری رہتا تھا، قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا، ہر قبیلے کی کسی قبیلے سے دوستی تھی، اور کسی قبیلے سے دشمنی تھی، اس وجہ سے ہر قبیلے کو

ہر وقت یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں میرا دشمن قبیلہ میرے اوپر آ کر حملہ نہ کر دے۔

”واصباحاہ“ کا نعرہ

اہل عرب کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کسی قبیلے کے کسی آدمی کو یہ خبر ملتی کہ ہمارا دشمن ہمارے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہے تو چونکہ اس زمانے میں ٹیلیفون وغیرہ تو تھے نہیں، لہٰذا اطلاع دینا کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اپنے قبیلے کے لوگوں کو آواز لگاتا، اور یہ کہتا -واصباحاہ- جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ صبح بڑی خطرناک آئی ہے، تم اس کے لئے تیار ہو جاؤ، اور صبح کا ذکر اس لئے کہ عام طور پر دشمن صبح کے وقت حملہ کیا کرتے تھے -واصباحاہ- کا یہ جملہ سارے عرب کے اندر مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص پہاڑی پر چڑھ کر -واصباحاہ- کا نعرہ لگائے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی دشمن حملہ کرنے والا ہے، لہٰذا پوری قوم اس کے پاس پوچھنے کے لئے جمع ہو جاتی کہ تمہیں کیا خبر ملی ہے؟ اور کون سا دشمن ہے جو ہم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔

کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ یہ طریقہ معلوم تھا، اس لئے آپ نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر -واصباحاہ- کا نعرہ لگایا، اور خاص طور پر قبیلہ قریش کے لوگوں کو آواز دے کر جمع کیا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے قریش کے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا: اے قریش کے لوگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن کا ایک لشکر ہے، جو عنقریب تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، کیا تم میری بات مانو گے؟ کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

ہم ضرور اس کی تصدیق کریں گے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال سے ان کے درمیان موجود تھے، لوگوں نے آپ کو ہر طرح سے دیکھا اور پرکھا ہوا تھا، اور آپ صادق اور امین کے لقب سے مکہ مکرمہ میں مشہور تھے کہ یہ بالکل سچے ہیں، کبھی جھوٹ نہیں بولتے، امانت دار ہیں، جو امانت ان کے پاس رکھوائی جائے، اس میں کبھی خیانت نہیں کرتے، چنانچہ اس وقت سب لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ہم آپ کی تصدیق کیوں نہیں کریں گے؟ ہم ضرور اس خبر کی تصدیق کریں گے، چونکہ ہم نے آپ کو زندگی میں کبھی بھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں پایا۔

اللہ کی توحید کے قائل ہو جاؤ

اس کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ

اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک دشمن ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو اس بات کو تم مان رہے ہو، تو اس سے زیادہ خطرناک دشمن سے تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی توحید پر ایمان نہ لائے، اور تم نے بت پرستی نہ چھوڑی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار نہ کیا تو تمہیں یہاں کے دشمن سے کہیں زیادہ سخت عذاب کا سامنا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کرنا پڑیگا، اور پھر آپ نے توحید کے پیغام کی لوگوں کے سامنے تشریح فرمائی کہ اگر تم میری تصدیق کرتے ہو، اور مجھے سچا مانتے ہو تو مجھے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اور تمہیں آگاہ کرنے کیلئے اور خبردار کرنے کیلئے

بھیجا ہے کہ اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو بڑا عذاب تمہارے سر پر کھڑا ہے۔

کیا اس مقصد کے لئے بلایا تھا؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بات پوری کہہ دی تو بعض لوگ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ سے سچا مانتے آئے تھے، اس لئے ان کے دل میں ایمان پیدا ہوا، اور وہ ایمان لے آئے، لیکن آپ کا چچا ابولہب جو اس وقت وہاں موجود تھا، اس نے زبان سے یہ کہا: تَبًّا لَکَ یَامُحَمَّدُ، اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا ؟ یعنی اے محمد! ہلاک ہو جاؤ، تمہاری بربادی ہو جائے۔ العیاذ باللہ۔ کیا اسی مقصد کے لئے تم نے ہمیں یہاں بلایا تھا؟ ابولہب نے نہ صرف یہ کہ بات نہیں مانی، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی، اور بددعا دی کہ تمہاری بربادی ہو، اس نے یہ الفاظ کہے، اور اس کے بعد وہ مسلسل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کی فکر میں رہا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کرنے اور ایمان کی دعوت اور توحید کی دعوت کے لئے جاتے تو آپ کے ساتھ ساتھ لگا رہتا، اور یہ کہتا کہ ہرگز ان کی بات نہ ماننا، یہ کہہ کر لوگوں کو ایمان لانے سے روکا کرتا تھا۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل کا کرتوت

دوسری طرف اس کی بیوی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی تھی، ام جمیل اس کا نام تھا، وہ بھی اپنے شوہر کی تابعداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگی رہتی تھی، اور اسکے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ جب اسکو پتہ چلتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کسی جگہ تشریف لے جا رہے ہیں، تو کانٹے دار شاخیں اٹھا کر لاتی،

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بچھا دیا کرتی، تا کہ آپ کو تکلیف ہو۔

حضور کی بدترین دشمن

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے، اور اس میں قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے، چند روز جب آپ کی طبیعت خراب رہی، تو آپ آخری شب میں تہجد کے لئے نہیں اٹھے، اس وقت ام جمیل نے -نعوذ باللہ- یہ طعنہ دیا کہ ان کے پاس جو شیطان آیا کرتا تھا، اس نے ان کے پاس آنا چھوڑ دیا، اس پر سورۂ ضحٰی نازل ہوئی، بہر حال، یہ ام جمیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بدترین دشمن تھی، دونوں میاں بیوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے درپے رہتے تھے، اس پر یہ سورۂ لہب نازل ہوئی۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ. یعنی بربادی ہو ابولہب کے دونوں ہاتھوں کی، آگے فرمایا: وَتَبَّ. یعنی اس کی بربادی ہوگئی، وہ برباد ہوگیا، یعنی اس کی موت ایسی حالت میں مقرر ہو چکی بس سمجھو کہ اسکی ہلاکت ہو ہی گئی، چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر جب کفار اور مشرکین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوئے تھے تو ابولہب نے خود جانے کے بجائے اپنی جگہ پر کسی اور کو بھیج دیا تھا، بظاہر اسکو یہ کھٹک ہوگئی تھی کہ اگر میں بدر میں جاؤنگا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے نوازا ہے، وہاں کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں، اسلئے ہلاکت کے خوف سے اس لڑائی میں نہیں گیا، جبکہ اور بڑے بڑے سردار، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابی بن

خلف گئے، اور وہ سب وہاں پر مارے گئے، لیکن یہ نہیں گیا، بلکہ مکہ مکرمہ ہی میں رہا۔

ابولہب کا دنیاوی انجام

لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ جب لوگ غزوہ بدر سے واپس آئے تو ابھی چار مہینے گزرے تھے کہ اس کے جسم میں طاعون کی گلٹی نکل آئی، اور طاعون ایسی بیماری ہے کہ اگر اس کی وبا پھیل جائے تو بستیوں کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں، ختم ہو جاتی ہیں، اور اہل عرب اس بارے میں بہت زیادہ توہّم پرست تھے، کہ اگر کسی کے جسم میں طاعون کی گلٹی نکل آتی تو اس کو گھر میں نہیں رہنے دیتے، کیونکہ اگر یہ گھر میں رہے گا تو اوروں کو بھی بیمار کرے گا، لہٰذا اس کے گھر والوں نے اس کو گھر سے نکال کر باہر الگ جگہ پر ڈال دیا، اور کوئی شخص اس کی خبر گیری بھی نہیں کرتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں میں بھی اس طاعون کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤں، کئی دن تک اس بیماری میں مبتلا رہا، اور اسی طاعون کے اندر اس طرح بے کسی کے عالم میں اس کا انتقال ہوا کہ اس کے گھر والے بھی اس کے پاس موجود نہیں تھے، اور اس کا سارا بدن گل سڑ گیا، اور اس کے نتیجے میں اس کے جسم سے بدبو اٹھنے لگی تھی، اسی میں اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے ایک گڑھا کھود کر جلدی سے اس میں ڈال کر دفن کر دیا، اللہ جل شانہ نے جو فرمایا تھا کہ — وَتَبَّ — تو اس کا منظر اللہ تعالیٰ نے کھلی آنکھوں دنیا کو دکھا دیا، اس طرح وہ ہلاک ہو گیا۔

اس کا مال اس کے کام نہ آیا

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ. یعنی نہ اس کا مال اسکے کوئی کام آیا، اور نہ اسکی کمائی اسکے کوئی کام آئی، اس میں اسکی ایک بات کی طرف

اشارہ ہے کہ جب یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں حد سے گزر رہا تھا، اور ہر جگہ جا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی برائیاں کیا کرتا تھا، کسی نے کسی وقت اس سے کہہ دیا کہ خدا کے بندے، ذرا سوچ لو، یہ سچے آدمی ہیں، انہوں نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، اگر یہ سچے ہوئے، جیسا کہ یہ فرما رہے ہیں تو دیکھو، مرنا تو تمہیں بھی ہے، مرنے کے بعد اگر اللہ کے سامنے پیش ہوئے اور تمہیں بھی وہی سزا ہوگئی جو اوروں کو سزا ہوگی، اس کو ذرا سوچو تو سہی، جواب میں اس نے کہا کہ اول تو میں اس کو مانتا نہیں، اور اگر بالفرض ایسا ہوا، اور مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا بھی پڑا اور میرے اوپر کوئی عذاب مسلط ہو گیا، تو میرے پاس مال اتنا ہے، اتنے پیسے ہیں کہ ان کو خرچ کر کے میں اپنے آپ کو اس عذاب سے بچا لوں گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تو وہ مال اسکے کام آیا، اور نہ اسکی کمائی کوئی کام آئی، بلکہ سب کچھ یہاں چھوڑ کر خالی ہاتھ رخصت ہو گیا۔

آخرت میں اس کا انجام

انسان دنیا میں کتنا بھی مال جمع کر لے، کتنا بڑا دولت مند ہو جائے، جب وہ دنیا سے جاتا ہے تو خالی ہاتھ ہی جاتا ہے، کفن کے سوا اس کے جسم میں کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح ابولہب کو نہ تو اس کا مال اسکے کوئی کام آیا، نہ اسکی کمائی اسکے کام آئی، دنیا میں تو اسکا انجام یہ ہوا، آخرت میں اسکا کیا انجام ہوگا؟ اسکے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا: سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ. یعنی وہ ایسی آگ میں داخل ہوگا جو شعلے بھڑ کا رہی ہوگی، اسکا لقب بھی ابو لہب تھا، اور لہب کے معنی شعلے کے ہوتے ہیں، چونکہ یہ اپنے آپکو ابولہب کہہ کر فخر محسوس کرتا تھا، تو چلو اسکا انجام بھی یہ ہوگا کہ جہنم کا شعلہ اس پر مسلط ہوگا۔

اس کی بیوی کا انجام

وَامۡرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ. اور اس کی بیوی بھی، وہ بیوی جو اس کی تابعداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے میں کوششیں کرتی رہتی تھی، وہ بھی جہنم میں داخل ہوگی، وہ بیوی جو دنیا میں لکڑیاں اٹھایا کرتی تھی، یعنی کانٹے دار لکڑیاں اٹھا کر لاتی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں لا کر بچھاتی، تاکہ آپ کو تکلیف پہنچے، اسی لئے آخرت میں وہ جہنم کے اندر اس طرح داخل ہوگی کہ اس نے اپنے سر پر لکڑیوں کا گھٹا اٹھائے ہوئے ہوگا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہاں آخرت میں جہنم میں بھی اس کے سر کے اوپر لکڑیوں کا گھٹا سوار کریں گے، اور اس کو مجبور کیا جائے گا کہ ابولہب جس آگ میں سلگ رہا ہے، اسی آگ میں لے جا کر یہ لکڑیاں ڈالے، تاکہ اس کی آگ اور بھڑکے، کیونکہ زندگی میں یہ ابولہب کے ظلم میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی، جو ظلم وستم ابولہب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام پر ڈھایا کرتا تھا، اس میں یہ خاتون نہ صرف یہ کہ اس کی معاون تھی، بلکہ اس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کی آگ اور بھڑکاتی رہتی تھی، اس لئے وہاں قیامت کے روز بھی اس کو لکڑیوں کا گھٹا دیا جائے گا کہ یہ لے، اور لے جا کر اپنے شوہر کی آگ میں ڈال دے، تاکہ اس کی آگ اور بھڑکے۔

اس کے گلے میں رسی کا طوق ہوگا

فِیۡ جِیۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ. اور اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی

ہوگی، یعنی قیامت میں ایک طرف تو وہ آگ میں ہوگی، اور دوسری طرف لکڑیوں کا گھٹا اٹھائے ہوئے ہوگی، اور تیسرے یہ کہ اس کی گردن میں خوب بٹی ہوئی رسی ہوگی، یعنی اس کی گردن میں اس رسی کا طوق پڑا ہوگا، اس حالت میں وہ جہنم کے اندر عذاب میں مبتلا ہوگی، یہ ہے اس سورت کا ترجمہ اور تشریح، اس سورت سے ہمارے لئے بہت سی ہدایات ملتی ہیں، بہت سے سبق ملتے ہیں، زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں اس کی تفصیل عرض کروں گا۔

قرآن کریم میں اس کے برے انجام کا ذکر

لیکن ایک بات اس موقع پر عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ دیکھو کہ اللہ جل شانہ نے پورے قرآن کریم میں جنت کا بھی ذکر فرمایا، جہنم کا بھی ذکر فرمایا، ایمان کا بھی ذکر فرمایا، کفر کا بھی ذکر فرمایا، لیکن عمومی باتیں بیان فرمائیں کہ کافروں کا یہ انجام ہوگا، اور مومنوں کا یہ انجام ہوگا، لیکن کسی شخص کا نام لے کر بہت کم لوگوں کے لئے کہا گیا ہے، مثلاً فرعون کے لئے کہا گیا ہے، فرعون کے ساتھیوں ھامان اور قارون کے بارے میں کہا گیا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دشمن تھے، ان میں سے کسی کا نام قرآن میں نہیں لیا، لیکن ابولہب کا نام لے کر اس کا انجام اس سورت میں بیان فرمایا ہے، اور اس طرح بتایا ہے کہ قیامت تک یہ سورت قرآن کریم میں پڑھی جاتی رہے گی، اور لوگ ابولہب پر لعنت بھیجتے رہیں گے، نمازوں کے اندر یہ سورت پڑھی جارہی ہے، بچے اس سورت کو یاد کررہے ہیں، سارے مسلمان اس کو یاد کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ابولہب کا یہ انجام ایسا رکھا

ہے کہ کسی اور کافر کا نہیں رکھا۔

جانتے بوجھتے حق کے انکار کا نتیجہ

بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ہے کہ کوئی انسان کسی غلط کام میں مبتلا ہو جائے، وہ الگ بات ہے، دوسرے یہ کہ وہ انسان حق کی دشمنی پر آمادہ ہو، جانتے بوجھتے حق کی دشمنی پر اتر آئے، ایسا لگتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے ابولہب کا قرآن کریم میں اس طرح جو ذکر فرمایا ہے، یہ اس وجہ سے کہ اس کی دشمنی دوسرے لوگوں کے لحاظ سے اس لئے زیادہ تھی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، اور چچا ہونے کی وجہ سے اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے دیکھا ہوا تھا، آپ کی ایک ایک ادا اس کی آنکھوں کے سامنے تھی، آپ کی سچائی کا اس نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہوا تھا، اس کے باوجود وہ دشمنی پر آمادہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ انجام کیا، کہ دیکھئے، قرآن کریم میں ابو جہل کا نام نہیں، مکہ کے دوسرے سرداروں کا نام نہیں ہے، لیکن ابو لہب کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس سے محفوظ رکھے کہ حق کو حق سمجھتے ہوئے اس کی دشمنی پر آمادہ ہوں، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کے انجام سے محفوظ فرمائے، آمین۔ اس سورت کی باقی تشریح انشاء اللہ زندگی رہی تو اگلے جمعہ کو عرض کروں گا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

یہ مال و دولت کام نہیں آئیگا

تفسیر سورۂ لہب (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	02nd-Apr-2010
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ مال و دولت کام نہیں آئیگا

تفسیر سورۃ لہب (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِینُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرا ًـاَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ء تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّمَااَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَسَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍء وَّ امْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِء فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ء آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولا نا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین و الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین.

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۃ لہب ہے جس کی میں نے ابھی

تلاوت کی، پچھلے جمعہ کو میں نے اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی تھی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابولہب جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سوتیلا چچا تھا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہونے کے باوجود آپ کی دشمنی پر تلا ہوا تھا، اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔

عام مقامات پر لوگوں کو دعوت دینے کا انداز

روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بعض اوقات بازاروں اور میلوں میں بھی تشریف لے جاتے، اہل عرب کے یہاں تین میلے خاص طور پر لگا کرتے تھے، جو بڑے مشہور تھے، ایک میلہ "عکاظ" کے مقام پر، ایک میلہ "ذوالمجاز" کہلاتا تھا، اور ایک میلہ "ذوالمجنة" کہلاتا تھا، یہ تین میلے لگا کرتے تھے، جس میں سارے عرب کے لوگ آکر اپنا سامان تجارت بیچتے اور خریدتے تھے، اور اس میں گانا بجانا بھی ہوتا تھا، شعروشاعری بھی ہوتی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے ان میلوں میں بھی تشریف لے جاتے تھے، اس خیال سے جاتے کہ یہاں سب لوگ ایک ہی جگہ جمع ہیں، ان سب کو ایک ساتھ تبلیغ کرنا آسان ہوگا، اس لئے آپ وہاں تشریف لے جاتے، اور لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے کہ: اَیُّھَا النَّاسُ: قُوْلُوْا لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا. لوگو! لا الہ اللہ کا کلمہ کہہ دو، یعنی اس بات کا اقرار کرلو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تم فلاح پا جاؤ گے۔

ابولہب اور اس کی بیوی کا رویہ

روایات میں آتا ہے کہ ابولہب ایسے مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوتا تھا، اور جہاں کہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اسلام کی دعوت دیتے کہ اسلام قبول کرلو، اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرلو، اور بتوں کی پرستش چھوڑ دو تو یہ ابولہب لوگوں سے کہتا کہ ہرگز ان کی بات نہ ماننا، ۔معاذ اللہ۔ یہ بے وقوف ہیں، یہ پاگل ہیں، اس طرح کے الفاظ استعمال کرتا تھا، اس کی بیوی ؛ام جمیل ؛ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔

سورت کا ترجمہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں انکے بارے میں ذکر فرمایا کہ -تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ- ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں، اور وہ خود برباد ہوگیا-مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ- نہ اس کا مال اس کے کچھ کام آیا، نہ اس کی کمائی اس کے کام آئی -سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ- وہ عنقریب ایسی آگ میں داخل ہوگا جو شعلے مار رہی ہوگی -وَّ امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ- اور اس کی بیوی بھی آگ میں داخل ہوگی، لکڑیوں کا بوجھ لادے ہوئے -فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ- اور اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی پڑی ہوئی ہوگی، یہ ہے اس سورت کا ترجمہ، اور اس کی کچھ تشریح گزشتہ جمعہ کو عرض کی تھی۔

ہر واقعہ سے سبق حاصل کرنا

اگرچہ اس سورت میں ابولہب کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، لیکن اس سے چند سبق ہمیں ملتے ہیں، کیونکہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل

فرمایا گیا، اس میں جو واقعات کا بیان ہوتا ہے، اس سے محض واقعات کو بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا کہ لوگ اس واقعہ کو سنیں اور اس سے لطف اندوز ہوں، بلکہ ہر واقعہ میں کچھ نہ کچھ سبق ہوتے ہیں، اور قرآن کریم کا اصل مقصد یہ ہے کہ جب لوگ وہ واقعہ پڑھیں تو اس سے وہ سبق حاصل کریں۔

بددعا نہیں کرنی چاہیے

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سورت کو ایک بددعا سے شروع کیا گیا ہے۔تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں، پھر فرمایا: وتب. وہ ہلاک ہو ہی گیا، یہاں مسئلہ یہ ہے کہ بددعا دینے کا کیا حکم ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر کسی کو بددعا نہیں دیتے تھے، حتی الامکان اس بات کی کوشش فرماتے تھے کہ بددعا نہ دینی پڑے، بلکہ بعض ایسے مواقع پر جن میں کافروں کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف پہنچائی گئی، اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ :اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ .اے اللہ، میری قوم کو ہدایت دیدے، اسلئے کہ یہ نادانی اور لاعلمی کی وجہ سے یہ حرکت کر رہے ہیں۔

ابولہب کے لئے بددعا کیوں

اسی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ جو کوئی کافر ہو، مشرک ہو، یا کسی بدعملی میں مبتلا ہو، اس کے لئے ہدایت کی دعا کرنی چاہیے، بددعا نہیں کرنی چاہیے، لیکن بعض لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ان کو ہدایت ملنی والی نہیں، ان کے حق میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی، اور اس سورت میں

ابولہب کے لئے بددعا کی گئی وہ بھی اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ اس شخص کے مقدر میں ہدایت نہیں ہے، اور یہ شخص کفر وشرک کی حالت میں مرے گا، اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوکر مرے گا، اس وجہ سے اس پر بددعا فرمائی گئی، اور اسی قسم کے بعض مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بددعا کرنا منقول ہے۔

بعض لوگوں کے لئے حضور کی بددعائیں

وہ بددعائیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، ان میں سے بعض کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلٍ. اے اللہ، ابوجہل کی پکڑ کیجئے، اس پکڑ کے اندر ہر طرح کا مفہوم داخل ہے، اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ جو ظلم وستم کر رہا ہے، اس ظلم وستم کو روک دیجئے، تاکہ وہ ظلم وستم میں قادر نہ ہو، اور کبھی یہ الفاظ فرمائے: اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ . اے اللہ، اس پر لعنت فرمایئے، غزوہ بیر معونہ کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کرام کو وہاں کے لوگوں کی درخواست پر وہاں بھیجا تھا، ان لوگوں نے یہ درخواست کی تھی کہ ہم قرآن کریم سیکھنا چاہتے ہیں، اور اسلام کی تعلیمات حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے آپ ہمارے پاس کچھ لوگ بھیجئے، جو ہمیں قرآن کریم سکھائیں، اس طرح دھوکہ دے کر ان کو بلوایا، اور صحابہ کرام میں سے جو بڑے اچھے قرآن کریم کے قاری تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیج دیا، لیکن درحقیقت وہ ایک سازش تھی، اور اس طرح دھوکہ دے کر بڑے المناک طریقے سے ان ستر صحابہ کرام کو شہید کر دیا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے قنوت نازلہ میں ان قبیلوں

کے خلاف بددعا فرمائی، جنہوں نے ان صحابہ کرام کو ظالمانہ طور پر دھوکہ دے کر شہید کر دیا تھا، ان کے لئے آپ نے: اَللّٰھُمَّ الْعَنْھُمْ. کے الفاظ استعمال فرمائے، خلاصہ یہ کہ جن کے بارے میں یہ طے ہوچکا ہو، اور یہ طے ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے، یا اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیتے ہیں کہ ان کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے تو ان کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بددعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے بھی بددعا فرمائی۔

عام الفاظ میں بددعا کرنا جائز ہے

لیکن جن کو یہ پتہ نہیں کہ کون کس حالت میں مرنے والا ہے، ان کے لئے کسی کا نام لے کر بددعا کرنا یا لعنت بھیجنا مناسب نہیں ہے، کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخر میں ہدایت دیدے، اور ایمان نصیب ہوجائے، ہاں: عام الفاظ سے بددعا کرسکتے ہیں کہ یا اللہ: جو اسلام کے دشمن ہیں، ان پر لعنت بھیجئے، اے اللہ، جو مسلمانوں کے دشمن ہیں، ان کو تباہ و برباد کردیجئے، اور ان الفاظ سے بددعا کرسکتے ہیں، کہ اے اللہ: ان کو ہدایت دے دیجئے، اگر ہدایت ان کے مقدر میں نہیں ہے تو ان کو تباہ کردیجئے، ان پر لعنت فرمایئے، اس طرح دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ایک مسئلہ تو اس سورت سے یہ نکلتا ہے۔

نہ اس کا مال کام آیا نہ کمائی

دوسرا مسئلہ جو ہمارے لئے بہت ہی زیادہ عظیم ہدایت رکھتا ہے، وہ یہ جملہ ہے کہ- مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ- نہ ابولہب کا مال اس کے کام آیا، اور اس

کی کمائی اسکے کوئی کام آئی، یہاں قرآن کریم نے دو لفظ استعمال کیئے، ایک ''مال'' دوسرے ''کمائی'' مال میں تو ہر قسم کا مال داخل اور شامل ہے، کیونکہ مال بعض اوقات انسان کو اس طرح بھی مل جاتا ہے کہ اس میں انسان کی کسی کوشش اور محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا، مثلاً باپ کی طرف سے میراث میں مال مل گیا، یا کسی نے ہدیہ یا تحفہ دیدیا، اور کمائی وہ ہے جو انسان اپنے قوت بازو کے ذریعہ اور اپنی محنت کے ذریعہ، اپنی کوشش کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، دونوں کے بارے میں فرمایا کہ نہ تو وہ مال کام آیا جو وراثت میں ملا تھا، اور نہ وہ کمائی کام آئی جو اس نے اپنے ہاتھوں سے کی تھی، آخر کار وہ ذلیل ہو کر مرا، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں عنقریب وہ آگ میں داخل ہونے والا ہے۔

مال ہمیشہ ساتھ نہیں دیتا

اس میں ہم سب کے لئے جو ہدایت عطا فرمائی گئی، وہ یہ کہ انسان بعض اوقات اس دنیا میں اپنے مال پر اور اپنی دولت پر بڑے گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اس مال اور کمائی کو سب کچھ سمجھے بیٹھا ہوتا ہے، کہ پیسہ بڑھ جائے، میری دولت میں میرے بینک بیلنس میں اضافہ ہو جائے، دن رات یہی فکر انسان کے دل و دماغ پر طاری رہتی ہے، قرآن کریم کی اس آیت نے ہمیں اور آپ کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ دیکھو، یہ مال اور جو کچھ تم کمائی کرتے ہو، یہ ایک حد تک ہی تمہارا ساتھ دے سکتی ہے، اس سے آگے یہ تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی، تم کتنی ہی دولت جمع کرلو، کتنا ہی مال کمالو، لیکن تم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا ہوا ہے تو بالآخر جب تمہاری آنکھ

بند ہوگی، جب تم قبر میں جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پہنچو گے تو وہ مال کچھ کام نہ آئے گا، ایسا مال کس کام کا جو تم نے جمع کیا تھا، وہ مال تو تم وارثوں کے لئے چھوڑ کر چلے گئے۔

تین چیزیں مردے کے ساتھ چلتی ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی انسان کا جنازہ جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں، ایک اس کے رشتہ دار، جو اس کو دفن کرنے کے لئے ساتھ جاتے ہیں، دوسرے اس کا مال اس کے ساتھ جاتا ہے، مال سے مراد اس کی چارپائی چادر وغیرہ، بعض علاقوں میں ان چیزوں کے علاوہ اس کا مال بھی ساتھ لے جاتے ہیں، تیسرے اس کا عمل جو اس کے ساتھ جاتا ہے، پہلی دو چیزیں تو قبر تک ساتھ جانے کے بعد اس انسان کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، اس کے رشتہ دار بھی واپس آجاتے ہیں، اور اس کا مال بھی واپس آجاتا ہے، صرف اس کا عمل اس کے ساتھ جاتا ہے، اگر عمل اچھا ہے تو آگے کے مراحل بھی اچھے ہوں گے، اس کا انجام بھی بہتر ہوگا، اور اگر عمل خراب ہے، تو اللہ بچائے، آگے کے مراحل میں تکلیف ہی تکلیف ہے، عذاب ہی عذاب ہے،

کب تک اس مال سے فائدہ اٹھاؤ گے؟

اگر فرض کرو کہ اسی مال سے فائدہ پہنچ بھی رہا ہے تو کب تک؟ ہوسکتا ہے کہ یہ مال تمہاری قبر تک پہنچنے تک تمہیں فائدہ پہنچادے، چنانچہ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۔ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ (ال عمران : ۱۹۶، ۱۹۷)

کہ یہ کفار و مشرکین دنیا میں اتراتے پھرتے ہیں، اور دنیا میں بظاہر خوشحال نظر آتے ہیں، یہ تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالیں، یہ جتنا فائدہ اور نفع اٹھارہے ہیں، یہ تھوڑے سے مزے جو اڑا رہے ہیں، کب تک؟ موت کے وقت تک بس، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے، اول تو یہ مال انسان کو کب تک کام آئے گا؟ ساری دوڑ دھوپ کر رہا ہے، حلال وحرام ایک کئے ہوئے ہیں، جائز ناجائز کی پرواہ نہیں ہے، اپنے عزیز وقریب سے اس مال کی بنیاد پر لڑائی ہے، جھگڑے ہیں، مقدمہ بازیاں ہیں، جب دنیا سے جائے گا تو یہ مال سب دوسروں کے لئے چھوڑ جائے گا۔

ایک عبرت ناک واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں یہ لکھا ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ مال جمع کر کے خزانے کی شکل میں کہیں زمین میں دفن کر دیتے تھے، ایک شخص جو بہت بڑا رئیس تھا، اس نے زمین دوز خزانہ بنا کر اس کے اندر الماریاں رکھ کر اس کے اندر سونے چاندی کی اینٹیں جمع کر کے رکھی تھیں، اس خزانے کا تالا ایسا بنایا تھا کہ کسی کو اس کے کھولنے کا طریقہ معلوم نہیں ہوتا تھا، ایک دن وہ اپنے خزانے کا معائنہ کرنے کے لئے خزانے کے اندر گیا، اور اندر سے دروازہ بند کر دیا، اور معائنہ کرنے لگا، وہیں پر اس کو کوئی بیماری آئی، اور وہیں

پر گر گیا، اور مر گیا، اب چونکہ دوسرے لوگوں کو اس کے کھولنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا، اس لئے وہ خزانہ اور اس کا مالک اسی زمین میں دفن ہو گیا، اور اب اس کے پاس پہنچنے کا کسی کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔

سارا خزانہ بینک کے حوالے

آجکل بعض ملک ایسے ہیں، جیسے سوئیزر لینڈ؛ وہاں پر بینکوں نے یہ سسٹم بنا کر رکھا ہے کہ لوگ اپنی دولت وہاں پر جمع کرائیں، اور صرف وہ شخص پیسے نکلوا سکتا ہے، جس کو خاص کوڈ معلوم ہو، دوسرا شخص پیسے نہیں نکلوا سکتا، اب وہ کوڈ اس کے سینے میں ہے، اور دوسروں کو وہ کوڈ اس لئے نہیں بتاتا کہ اگر دوسروں کو پتہ چل جائے گا تو دوسرے لوگ پیسے نکلوا لیں گے، اور اربوں کی دولت اس کے اندر جمع ہے، جب اس کا انتقال ہوا تو کسی وارث کو پتہ نہیں کہ اس کا کوڈ کیا ہے، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ سارا خزانہ بینکوں کے حوالے ہو گیا، اگر آدمی ذرا انجام پر غور کرے کہ میں کتنی دولت جمع کروں گا، اور کتنی دولت کماؤں گا، اس دولت کی خاطر یہ بدنامیاں اٹھاؤں گا، اس کی خاطر جیلوں میں جاؤں گا، اور بالآخر انجام کیا ہوگا؟ اس بات کو انسان نہیں سوچتا۔

یہ مال تو ایک آلہ ہے

اور آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے، جس کو قرآن کریم نے فرمایا کہ:

جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (الھمزۃ: ۲)

کہ مال آدمی جمع کرتا رہتا ہے، اور اسکو گنتا رہتا ہے، آج اتنا ہو گیا، کل اتنا ہو جائے گا،

بس گنتا رہتا ہے، اور یہ سوچتا ہے کہ یہ مال ہی میرا سب کچھ ہے، اور مال ہی میرے لئے راحت و آرام کا ذریعہ ہے، ارے یہ مال تو ایک آلہ ہے، لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ جسکے پاس مال ہو، اسکو راحت بھی مل جائے، آرام اور سکون بھی مل جائے، یہ ضروری نہیں، یہ سکون، یہ راحت، یہ آرام، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ایک معمولی مزدور کو راحت اور آرام عطا فرمادیں، اور اگر نہ چاہیں تو بڑے سے بڑا سرمایہ دار اس راحت اور آرام سے محروم رہے۔

وہ مال ان کے لئے عذاب ہے

آج ان بڑے بڑے سرمایہ داروں کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں کہ ان کے پاس اتنی دولت ہے، ان کے پاس اتنے وسائل ہیں، لیکن اگر ان کے اندرونی زندگی کے اندر جھانک کر دیکھو تو پتہ چلے کہ ان کا دل زخموں سے چور ہے، نہ جانے کتنی مصیبتوں میں وہ گرفتار ہیں، اسی بات کو قرآن کریم نے فرمایا کہ بعض اوقات ہم انسان کی دولت کو اس کے پیسے اور مال کو اس لئے عذاب بنا دیتے ہیں، جس طرح قارون کو دیکھ کر لوگ رشک کیا کرتے تھے، اسی طرح ان سرمایہ داروں کی کوٹھی، بنگلے، کارخانے اور بینک بیلنس دیکھ کر رشک آتا ہے، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ اس دولت کے نتیجے میں اس کو کس پریشانی کا سامنا ہے۔

ایک نواب صاحب کھانے سے محروم

میں خود ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ نہ جانے کتنے بڑے بڑے دولت مند لوگ ہیں، جو تنہائی میں آکر مجھ سے اپنی کہانی بیان کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک

مزدور جو بیچارہ دال روٹی کھاتا ہے، لیکن سکون سے تو ہے، اطمینان اور راحت سے تو ہے، اور یہ درمایہ دار عذاب میں مبتلا ہے، حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا کہ ایک نواب صاحب تھے، ساری دنیا کی نعمتیں اور دولتیں ان کے پاس موجود تھیں، حشم خدم، نوکر چاکر، دولت ، اسباب راحت کی فراوانی تھی، لیکن ان کو ایسی بیماری لگ گئی کہ ان کو حکیم صاحب نے کہا کہ آپ کچھ نہیں کھا سکتے، سوائے اسکے کہ بکری کے قیمہ کو ابال کر پھر ململ کے کپڑے میں رکھ کر اسکا جوس نکالیں اور صرف آدھا چھٹانک جوس پی سکتے ہیں، اسکے علاوہ کچھ نہیں کھا سکتے، جب کہ گھر میں دولت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، کھانے پینے کی اشیاء ہیں، پھل فروٹ ہیں، میوے ہیں، دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں، لیکن ان سب سے محروم ہیں۔

مجھ سے تو یہ کسان اچھا

وہ نواب صاحب ایک مرتبہ اپنے محل کی کھڑکی سے بیٹھے ہوئے باہر دیکھ رہے تھے کہ دریا کے پار یہ نظر آیا کہ ایک کسان مزدور دریا کے کنارے آیا، گرمی کا موسم تھا، ایک درخت کے نیچے بیٹھا، اور اپنی گھٹری کھولی، اور اس میں سے دو موٹی روٹیاں اور ساگ نکالا اور اس ساگ سے وہ دو روٹیاں بڑے مزے سے لذت لے کر کھائیں، اور دریا سے پانی پیا، اور زمین پر چادر بچھائی اور وہاں سو گیا، اور خرانٹے لینے لگا، نواب صاحب نے دیکھ کر کہا کہ یا اللہ! یہ مزدور جس کے لئے ساگ اور روٹی ہی اتنی بڑی نعمت بنی ہوئی تھی کہ وہ ان کو مزے لے کر کھا گیا، اور جب لیٹا تو ایک منٹ کے اندر نیند کے آغوش میں چلا گیا، اور خرانٹے لینے لگا،

اور نیند کے مزے لینے لگا، جب کہ مجھے تو آرادہ بستر میں نیند نہیں آتی، اور کروٹ لیتا رہتا ہوں، اور کھاتے وقت قیمہ کا ذراسا جوس پی لیتا ہوں، مجھ سے تو یہ کسان اچھا، اور میری دولت کے مقابلے میں اس کسان کی دولت زیادہ بہتر ہے۔

پیسوں کا نام راحت رکھ لیا

ہم لوگوں نے آج پیسے کا نام راحت رکھ لیا ہے، اور اسباب راحت کا نام راحت رکھ لیا ہے، اس کے نتیجے میں ہم لوگ راحت سے محروم ہیں، اگر یہ مال اللہ تعالیٰ حلال اور جائز طریقے سے عطا فرمائے، تو پھر اللہ تعالیٰ اس مال میں برکت دیتے ہیں، اور برکت کے معنی یہ ہیں کہ تھوڑا مال بھی انسان کو راحت پہنچا دیتا ہے، اور اگر بے برکتی ہو تو بڑی سے بڑی دولت بھی انسان کیلئے بے کار ہو جاتی ہے، اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا: مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ. ابولہب کو اس کا مال کوئی کام نہ آیا، اس کی کمائی کوئی کام نہ آئی۔

وہ مال نہ دنیا میں کام آیا نہ آخرت میں

وہ مال دنیا میں بھی کام نہ آیا، اور آخرت میں بھی کام نہ آیا، دنیا میں اس لئے کام نہ آیا کہ آخر زمانے میں اس کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اس کو طاعون کی گلٹی نکل آئی، اور اس کی وجہ سے جسم سڑنے لگا، اور گھر والوں نے بھی اس کو اٹھا کر باہر ڈال دیا، گھر کے اندر مال و دولت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، عزیز و اقارب رشتہ دار سب موجود ہیں، لیکن گھر کے باہر وہ تنہا پڑا ہوا ہے، اس طرح گل سڑ کر اس کا انتقال ہوگیا، لہٰذا وہ مال دنیا میں بھی کام نہ آیا، اور آخرت میں تو یقینی طور پر کام نہ آئے گا،

اور نہ اس کی کمائی اس کے کام آئی۔

صرف حلال مال کام آنے والا ہے

اس سورت سے ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ یہ دنیا، اور دنیا کے مال و دولت یہ جو کچھ بھی ہے، اگر تم اس سے راحت حاصل کرنا چاہتے ہو، تو اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے، جو کچھ کماؤ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کماؤ، حرام طریقے سے بچو، دھوکہ دینے سے بچو، حرام کمائی سے بچو، سود سے، قمار سے، رشوت سے بچو تو پھر اگر تھوڑا بھی حاصل ہوگا، انشاء اللہ اس میں برکت ہوگی، اور وہ دنیا میں بھی کام آئے گا، اور آخرت میں بھی کام آئے گا، ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نِعمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ

جو صالح مال ہو، یعنی جو مال حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، وہ صالح آدمی کے لئے بہترین چیز ہے، دنیا میں بھی کارآمد ہوگا، اور آخرت میں بھی کارآمد ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

فتح مکہ کا واقعہ

تفسیر سورۂ نصر (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا **مفتی محمد تقی عثمانی** مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	10th-Feb-2010
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللّٰہ الرحمن الرّحیم

فتح مکہ کا واقعہ

(تفسیر سورۂ نصر(۱))

الحمد الله نحمده ونستعينه ونستغفره ونئو من به ونتوكل عليه ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له واشهد الااله الاالله وحده لاشريک له واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا و مولانا محمداعبده ورسوله صلى الله تعالیٰ علیه وعلیٰ آله واصحابه وبارک وسلم تسليما كثيرا كثيرا. امابعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ ۞ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۞ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۞

سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ سورۂ نصر ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ وہ سورت ہے جو بکثرت نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، اور

تقریباً ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے، اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کی سب سے آخری سورت ہے، جو مکمل نازل ہوئی، اس سورت کے بعد کوئی اور سورت مکمل نازل نہیں ہوئی، اس کے بعد کچھ آیات تو نازل ہوئیں، مثلاً سورۂ مائدہ کی آیت:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدۃ : ۳)

اسی طرح یہ آیت:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ (البقرۃ : ۲۸۱)

یہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے، یہ بھی اس سورت کے بعد نازل ہوئی، لیکن مکمل سورۃ جو سب سے آخر میں نازل ہوئی، وہ یہی سورت ہے، اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی، یہ اس سورت کی اہم خصوصیت ہے۔

سورت کا ترجمہ

اس سورت میں ایک عظیم بشارت بھی ہے، اور بہت بڑا سبق بھی ہے، پہلے اس سورت کا ترجمہ سمجھ لیں، اس سورت میں اللہ جل شانہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرما رہے ہیں کہ: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۔ جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح حاصل ہو جائے: وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۔ اور آپ دیکھیں کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۔ تو پھر اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کیجئے، اور اسی سے استغفار کیجئے: اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ کو قبول کرنے والا ہے، اور

بڑا معاف کرنے والا ہے، یہ ہے اس سورت کا ترجمہ۔

خیبر کے فتح ہونے کے بعد نازل ہونے والی سورت

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ آخری سورت ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل نازل ہوئی، اس کے بعد دو سال تک آپ دنیا میں تشریف فرما رہے، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سورت غزوۂ خیبر کے بعد نازل ہوئی، غزوۂ خیبر ۷ھ میں یہودیوں کے ساتھ پیش آیا تھا، جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں پر فتح عطا فرمائی تھی، اور خیبر جو یہودیوں کا علاقہ تھا، جہاں سے وہ یہودی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے، وہ علاقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں فتح ہو گیا تھا، اس کے بعد یہ سورۂ نصر نازل ہوئی۔

اس میں فتح مکہ کی خوشخبری

اس سورت میں پیشنگوئی بھی فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آنے والی ہے، اور فتح ہونے والی ہے، اور فتح سے اشارہ مکہ مکرمہ کے فتح ہونے پر تھا، وہ مکہ مکرمہ جہاں مسلمانوں پر زمین تنگ کی جا رہی تھی، اور ان پر تشدد اور ظلم کا بازار گرم کیا جا رہا تھا، کوئی شخص کلمہ توحید پڑھتا تو اسے تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا، اور اس کے سینے پر پتھر کی سلیں رکھ دی جاتیں، اور اس کو کوڑے مارے جاتے، وہ مکہ مکرمہ اب آپ کے ہاتھوں فتح ہونے والا ہے، اور اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، گروہ کے گروہ، جماعتیں بنا کر اور وفد بنا کر آپ کی خدمت میں آئیں گے، اور اسلام قبول کریں گے۔

مکہ کے اخری انجام کا انتظار

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اس طرح فتح فرمایا کہ خون بھی نہیں بہا، اور مکہ مکرمہ فتح ہوگیا، اور اس کے بعد سارے جزیرہ عرب کے مختلف قبیلے فوج درفوج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہونے لگے، کیونکہ قبائل عرب کی بہت بڑی تعداد وہ تھی جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا پتہ چل گیا تھا، اوران کے دل میں بڑی حد تک اسلام کی حقانیت گھر چکی تھی، لیکن وہ اسلام لانے سے اس لئے ڈرتے تھے کہ مکہ مکرمہ کے سردار اور قریش جو سارے عرب کے پیشوا سمجھے جاتے تھے، اور سارا عرب ان کی طرف دیکھتا تھا، ان کو یہ ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر ہم اسلام میں داخل ہوجائیں، تو قریش کے لوگ ہم سے ناراض ہوجائیں، اوراس کے نتیجے میں وہاں کے بڑے بڑے سردار ہم سے خفا ہوجائیں، اس لئے وہ اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ مکہ کے قریش اور سرداروں کا آخری انجام کیا ہوتا ہے؟

فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان

جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ عطا فرمایا، اور سب سے پہلا کام مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد آپ نے یہ کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہوکر اذان دینے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، اور پورے مکہ مکرمہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان گونجی، آپ نے انتقام لینے کے بجائے، اور

لوگوں کا خون بہانے کے بجائے یہ اعلان کردیا کہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہوجائے گا، اسے امن ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا، اسے امن ہے، جو ہتھیار ڈال دے گا اسے امن ہے، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا اسے امن ہے، معافی کا عام اعلان کردیا، وہ بڑے بڑے سرداران مکہ جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی اور آپ کو گرفتار کرنے کی سازشیں تیار کی تھیں، جنہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا تھا، وہ جب اس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو آپ نے فرمایا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

آج تم پر کوئی پکڑ نہیں، آج تم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا، تم سب آزاد ہو، تمہاری جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

رحمت للعالمین کی رحمت کی عظیم مثال

یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف تھا کہ جن لوگوں نے تیرہ سال تک مسلمانوں کو ظلم وستم کی چکی میں پیسا، جب ان پر اقتدار حاصل ہوا تو ان کی عام معافی کا اعلان کردیا، کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر مکہ مکرمہ میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں، کوئی اور ہوتا تو اکڑتا ہوا، اتراتا ہوا، اور تکبر سے سینہ تان کر داخل ہوتا، لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، اور گردن جھکی ہوئی تھی، اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور زبان مبارک پر یہ آیت تھی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (الفتح : ۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم تمہیں فتح مبین عطا فرمانے والے ہیں، یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے، اور سب کو امن دے رہے تھے، کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا، رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مثال قائم فرمادی جو دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی، کہ اتنے کٹر دشمن، اور خون کے پیاسے، ظلم وتشدد کی چکی میں پیسنے والوں پر جب اقتدار حاصل ہوا تو آپ نے ان کے ساتھ رحمت کا یہ معاملہ فرمایا۔

عام معافی دینے کا نتیجہ، قبول اسلام

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے بڑے سردار جو اسلام دشمنی میں بہت کٹر تھے، وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے، اسلام قبول کرلیا، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کی، وہ لوگ جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجو یہ قصیدے کہے تھے، آپ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں، انہوں نے آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے معافیاں مانگیں، اور اسلام میں داخل ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز عطا فرمایا۔

دوسرے قبائل عرب کا اسلام میں داخل ہونا

اس کے بعد وہ قبائل عرب جو اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ یہ دیکھیں کہ مکہ مکرمہ کے سرداران قریش کا کیا انجام ہوتا ہے؟ جب انہوں نے دیکھا کہ خود قریش کے لوگ مغلوب ہو گئے ہیں، اور ان میں سے اکثریت نے اسلام قبول کرلیا ہے تو ان کے دل میں تھوڑا سا تردد اسلام لانے نہ لانے کے بارے میں تھا، وہ تردد بھی

جا تا رہا، چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو سارے عرب کے قبیلے فوج درفوج، گروپ اور وفد بنا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، صرف ایک وفد جو یمن سے آیا تھا، وہ سات سو افراد پر مشتمل تھا، سات سو افراد نے آکر ایک ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی، اور اسلام قبول کیا۔

سورۂ عصر کے نزول کے وقت صحابہ کا خوشیاں منانا

قرآن کریم نے غزوہ خیبر کے بعد جو نقشہ کھینچا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آنے والی ہے، اور مکہ مکرمہ فتح ہونے والا ہے، اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ لوگ فوج درفوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، یہ منظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فتح مکہ سے بہت پہلے کھینچ دیا گیا تھا، چونکہ اس سورت میں پیشنگوئی تھی کہ عنقریب مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہونے والی ہے، اور جزیرہ عرب کے لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے والے ہیں، اس لئے جب یہ سورت نازل ہوئی اور آپ نے صحابہ کرام کے سامنے پڑھ کر تلاوت کی تو اس پر صحابہ کرام نے بڑی خوشیاں منائیں، حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی خوشی منائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی ہے، اور انشاء اللہ عنقریب اسلام کو یہ غلبہ حاصل ہونے والا ہے۔

آپ کے جانے کا وقت قریب ہے

صرف ایک صحابی یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس

رضی اللہ عنہ اس موقع پر خوشی منانے کے بجائے رو رہے تھے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس سورت میں اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ اب آپ کے اس دنیا سے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے، اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس لئے بھیجا تھا تاکہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے، اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے، اور اسلام پھیل جائے، اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں فرمادیا کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے، یعنی آپ کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد پورا ہونے والا ہے، اور جب آپ کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد پورا ہو جائے گا، تو یقیناً اس کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ عرصہ تک اپنے سے دور نہیں رکھیں گے، اور آپ کو اپنے پاس بلا لیں گے، اسی وجہ سے آپ کو حمد اور تسبیح اور استغفار کی تلقین کی گئی ہے، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت قریب آ رہا ہے، میں اس لئے رو رہا ہوں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا: ہاں: تم ٹھیک کہتے ہو، اس سورت میں واقعتہً یہ اشارہ موجود ہے کہ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا، کیونکہ آنے کا مقصد پورا ہو گیا، اسلام پھیل گیا، اور اس کی نشر و اشاعت ہو چکی، پورا جزیرہ عرب اسلام کے زیر نگیں آ گیا، یہ میرے مقصد کی تکمیل ہو رہی ہے، لہٰذا اس میں اشارہ ہے کہ میں جلد ہی دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں، بعد میں حضرت فاروق اعظم اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ بات

فرمائی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی۔

تسبیح اور حمد اور استغفار کی کثرت

اس کے بعد آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ. یعنی جب آپ یہ دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور فتح آ گئی تو اب اللہ تعالیٰ کی حمد میں تسبیح میں اور استغفار میں لگ جاؤ، چونکہ آپ کے آنے کا مقصد پورا ہو چکا اور آپ نے اپنا فریضہ منصبی انجام دیدیا، اب آپ اپنا رجوع اللہ تعالیٰ کی کرو، تسبیح کرو، حمد کرو، اور استغفار کرو۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ جملہ اپنی نمازوں میں اور سجدوں میں اور رکوع میں بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ: سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ. چونکہ اس سورت میں آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ تسبیح کرو، اس کی تعمیل میں آپ: سُبْحٰنَکَ اَللّٰھُمَّ. فرماتے، آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ حمد کرو، اسکی تعمیل میں: وَبِحَمْدِکَ. فرماتے، آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ استغفار کرو، اس کی تعمیل میں آپ: اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ. فرماتے۔

سجدے میں آپ کی تسبیح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عام طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں: سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی. پڑھا کرتے تھے، ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ سجدہ کی حالت میں: سُبْحٰنَکَ اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ. پڑھ رہے ہیں، میں نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ یہ کلمات کیوں پڑھتے

ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے رب نے میرے پروردگار نے اس سورۂ نصر کے اندر مجھے اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے، میں اس کی تعمیل میں یہ پڑھتا ہوں، میں اس کی تعمیل میں یہ پڑھتا ہوں، یہ اس سورت کا خلاصہ ہے، اس سورت میں ہمارے لئے عملی طور پر چند سبق ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کامیابی اللہ کی مدد سے ہوتی ہے

پہلا سبق یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے دو لفظ علیحدہ علیحدہ استعمال فرمائے، فرمایا کہ: اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ . یعنی اللہ کی مدد آجائے، اور فتح آجائے، اگر یوں فرمادیتے کہ: اِذَا جَآءَ الۡفَتۡحُ . کہ جب مکہ مکرمہ کی فتح حاصل ہو جائے تو یہ کام کرو، یہ بھی کافی تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے دو لفظ استعمال فرمائے، ایک نصر کا اور ایک فتح کا، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب بھی کسی انسان کو کوئی کامیابی حاصل ہو، کوئی فتح ملے، کوئی مقصد حاصل ہو تو پہلے اس کو اس بات کا استحضار کرنا چاہیے کہ یہ جو کچھ مل رہا ہے، جو کامیابی یا فتح مجھے مل رہی ہے، یہ میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت اور مدد ہے: اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ . جب اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے، اور فتح آجائے، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ جب اس کو کسی بھی شعبہ میں کامیابی حاصل ہو، تو اس کو اپنی قوت بازو کا کرشمہ قرار نہ دے، اور یہ نہ سوچے کہ میں نے بڑا تیر مار لیا، میں نے بڑا عجیب کارنامہ انجام دے دیا، یہ سوچنے کے بجائے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا

چاہیے کہ میرے اللہ نے میری مدد فرمائی، میرے اللہ نے مجھے توفیق عطا فرمائی۔

کامیابی کی نسبت اللہ کی طرف کرے

یہ سبق اس سورت میں نہ صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، بلکہ قیامت تک آنے والے سارے مسلمانوں کو دیدیا کہ اے مومنو! تمہیں زندگی کے کسی بھی شعبے میں کوئی کامیابی ملے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اللہ تعالیٰ کی مدد قرار دو، اور اس بات کا استحضار کرو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بغیر اس کی توفیق کے بغیر یہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی تھی، وہ کامیابی چاہے جنگ میں فتح کی صورت میں ہو، وہ کامیابی اپنی کسی کوشش کے نتیجے میں ہو، مثلاً کوئی آدمی روزگار تلاش کر رہا تھا، اس کو روزگار مل گیا، کوئی آدمی قرضے کی ادائے گی چاہ رہا تھا، اس کے قرضے کی ادائیگی ہوگئی، کوئی آدمی اولاد طلب کر رہا تھا، اس کو اولاد مل گئی، کوئی اور ترقی حاصل ہوگئی، جو کوئی ترقی دنیا میں حاصل ہو، اس کامیابی کو اپنی کوشش، اپنی محنت کا ثمرہ سمجھنے کے بجائے اس کو اللہ تعالیٰ کی توفیق، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی طرف منسوب کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام ہوگیا، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔

تاثیر پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں

اور یہ کوئی محض عقیدت کی بات نہیں، بلکہ حقیقت یہی ہے، کیونکہ انسان زیادہ سے زیادہ کسی کام کے اسباب کو جمع کر لیتا ہے، لیکن ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کام نہیں، مثلاً آپ بیمار ہوئے، اور علاج شروع

کیا، دوا پی، اس دوا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی، اب بظاہر تو اس دوا کے پینے سے فائدہ ہوا، اور شفاء حاصل ہوگئی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دوا میں کچھ نہیں رکھا، اگر اللہ تعالیٰ اس دوا میں تاثیر پیدا نہ فرمائیں تو ہزار دوائیں کھاتے رہو، اور سالہا سال تک ڈاکٹروں کے پاس چکر لگاتے رہو، شفا حاصل نہیں ہوگی، بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی طرح کا مرض ہے، ایک ہی دوا ہے، ایک آدمی کو اس دوا سے صحت حاصل ہوگئی، دوسرے آدمی کو اس دوا سے کوئی فائدہ نہ ہوا، یہ تو اللہ تعالیٰ ہیں جو تاثیر ڈالتے ہیں، لہٰذا اگر شفا حاصل ہو جائے تو اس شفا کی نسبت دوا کی طرف اور ڈاکٹر کی طرف نہیں کرنی، حکیم کی طرف نہیں کرنی، بلکہ اس شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے شفا عطا فرمائی، اور اس دوا میں تاثیر پیدا فرمادی۔

گاہک اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں

آپ نے دکان کھولی، اور بیٹھ گئے، آپ نے بس اتنا ہی کام کیا کہ دکان کھولی، اور سامان لاکر رکھ دیا، لیکن یہ دیکھو کہ گاہک کون بھیج رہا ہے؟ فرض کرو کہ اگر تم دکان کھول کر تو بیٹھ جاؤ، اور سارا سامان جمع کرلو، اور اشتہار بازی بھی کرلو، لیکن پھر بھی کوئی گاہک نہ آئے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہو گے، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی گاہکوں کے دل میں بات ڈالتا ہے کہ جاؤ، اور جاکر اس سے مال خریدو۔

آج کی چھٹی کرلوں

میرے مرحوم بھائی جناب ذکی کیفی صاحب، لاہور میں ادارہ اسلامیات

کے نام سے ان کی دینی کتابوں کی دکان تھی، فرمایا کہ ایک مرتبہ لاہور میں صبح کے وقت شدید بارش ہو رہی تھی، اتنی شدید بارش کہ سڑکوں پر پانی جمع ہو گیا، اور ٹریفک بند ہو گیا، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج بارش کے اس طوفان میں کون شخص مذہبی کتاب خریدنے کے لئے آئے گا، لہٰذا آج دکان نہ جاؤں، اس لئے شدید بارش میں اولاً تو لوگ گھر سے باہر ہی نہیں نکلتے، اگر نکلتے ہیں تو کھانے پینے کی اشیاء کی خریداری کی خاص ضرورت کے لئے نکلتے ہیں، کتاب کی خریداری؟ خاص طور پر مذہبی کتاب خریدنے کے لئے کون گھر سے باہر نکلے گا، اس لئے آج میں دکان نہ جاؤں، چھٹی کرلوں۔

میرے اللہ نے ان کو بھیج دیا

لیکن چونکہ بزرگوں کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے، اس لئے فرمایا کہ پھر میرے دل میں دوسرا خیال یہ آیا کہ یہ پہلا خیال شیطانی خیال ہے، ارے دکان سے روزی نہیں ملا کرتی، روزی دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے میرا کام یہ ہے کہ میں دکان کھول لوں، اور دکان کھول کر بیٹھ جاؤں، گاہک بھیجنا تو کسی اور کا کام ہے، وہ اگر چاہے گا تو بھیج دے گا، نہیں چاہے گا تو نہیں بھیجے گا، چنانچہ میں نے برساتی اوڑھی، اور گھٹنے گھٹنے تک پانی میں چلتے ہوئے گیا، اور جا کر دکان کھول لی، اور بیٹھ کر یہ سوچا کہ گاہک نہیں آرہا ہے تو تلاوت کرلوں، چنانچہ قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی، تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ لوگ اس بارش میں چھتری لگا کر آرہے ہیں، اور آکر کتابیں خرید رہے ہیں، میں نے سوچا کہ اس شخص کو اس بارش

کے اندر اس کتاب کے خریدنے کی کیا ضرورت پیش آ گئے تھی کہ وہ کتاب لینے کے لئے یہاں آئے، لیکن میرے اللہ نے میری روزی کا سامان کرنے کے لئے ان کو یہاں پر بھیج دیا۔

انسان کا کام کوشش کرنا ہے

بہرحال، دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کی بالآخر توفیق اور تاثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو، انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ کوشش کرلے، لہٰذا جب کبھی کوئی کامیابی حاصل ہو تو سمجھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد سے آئی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہوئی ہے، یہ سبق اس آیت نے دیا کہ :اذا جاء النصر اللہ والفتح . کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے تو پھر یہ یہ کام کرو، باقی کچھ اور سبق بھی اس سورت سے حاصل ہو رہے ہیں، زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلے جمعہ کو عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اللہ کا شکر نعمتوں میں زیادتی کا ذریعہ

تفسیر سورۂ نصر (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	26th-Feb-2010
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کا شکر

نعمتوں میں زیادتی کا ذریعہ

(تفسیر سورۂ نصر (۲))

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ ﴿ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ط اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿ آمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْم، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمِ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۂ نصر جس کی تفسیر میں نے گزشتہ جمعہ کو شروع کی تھی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورت میں یہ بشارت دی تھی کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب آپ کو مکہ مکرمہ پر فتح حاصل ہو جائے گی، اور لوگ فوج در فوج، گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوں گے، اس موقع پر آپ کو کیا کرنا ہوگا؟ اس کے بارے میں فرمایا کہ ''فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ'' یعنی جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ جائے، اور مکہ مکرمہ فتح ہو جائے، لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں، تو پھر آپ اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح میں لگ جائیں، اور ان سے استغفار فرمایئے ''اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت توجہ کرنے والا ہے۔

آپ کے جانے کا وقت قریب آ رہا ہے

میں نے گزشتہ جمعہ میں عرض کیا تھا کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ رو رہے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سورت سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کے دنیا سے جانے کا وقت اب قریب آ گیا ہے، چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنا دین پھیلانے کے لئے بھیجا تھا، اور اس سورت میں پیشنگوئی فرمائی گئی ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب اللہ کا دین پھیل جائے گا، لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دنیا میں تشریف آوری

کا مقصد پورا ہو جائے گا، تو پھر اللہ تعالیٰ عنقریب آپ کو اپنے پاس بلا لیں گے، آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی باتوں کی تصدیق فرمائی۔

کامیابی اللہ کی مدد سے ہوتی ہے

اس سورت سے ہمیں اپنی زندگی میں دو بڑے اہم سبق ملتے ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے گزشتہ جمعہ کو عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ''یعنی اللہ کی مدد آجائے، اور فتح حاصل ہو جائے، حالانکہ براہ راست اختصار کے ساتھ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ ''اذا جاء الفتح '' کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو جائے تو آپ یہ کام کیجئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ''نصر اللّٰہ '' کے الفاظ کا اضافہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ دنیا میں جو کوئی کامیابی کسی انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ اللہ جل جلالہ کی مدد سے ہوتی ہے، کسی کی اپنی قوت بازو سے نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی تو فتح حاصل ہوگی، اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں آئے گی تو فتح حاصل نہیں ہوگی، اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اس دنیا میں جب بھی کسی انسان کو کوئی کامیابی حاصل ہو تو اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے، ایک سبق تو اس سورت سے یہ ملتا ہے۔

کامیابی کے بعد کیا کام کرنا چاہیے

اس سورت میں دوسرا سبق جو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو

تلقین فرمایا، وہ یہ ہے کہ "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ" یعنی جب یہ فتح حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیجئے، اللہ تعالیٰ کی حمد کیجئے، اور اس کا شکر ادا کیجئے، اس کی تعریف کیجئے، اور اس سے استغفار بھی کیجئے، دو کاموں کی تلقین فرمائی، ایک تسبیح کے ساتھ حمد کرنے کی، اور دوسرے استغفار کرنے کی، اس سے یہ سبق سکھا دیا کہ جب بھی انسان کو اپنی زندگی میں کوئی کامیابی حاصل ہو تو اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی قوت بازو پر اترانے کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد میں مشغول ہو کہ یا اللہ: آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اپنے فضل وکرم سے یہ کامیابی عطا فرمائی۔

کامیابی پر اترانا تکبر کی علامت ہے

لہٰذا دنیا میں جو کوئی فائدہ حاصل ہو، یا کوئی نعمت حاصل ہو، یا راحت ملے، یا کوئی خوشی اور مسرت حاصل ہو، ہر موقع پر تلقین یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرو، اس لئے کہ اس کے ذریعہ اس بات کا اعتراف ہوگا کہ یہ جو کچھ ہوا وہ اللہ جل جلالہ کی توفیق سے ہوا، یہ شکر ایسی چیز ہے جو انسان کے دل سے تکبر کی جڑ کاٹ دیتی ہے، جو آدمی براہ راست اپنی قوت پر اور اپنی کوشش پر بھروسہ کرتا ہے، وہ آدمی کامیابی کے حاصل ہونے کے موقع پر تن جاتا ہے، اکڑ جاتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بڑا تیر مارلیا، میں نے بڑا کارنامہ انجام دے دیا، یہ چیز اس کے دل میں تکبر اور عجب پیدا کرتی ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ دوسروں کے ساتھ تحقیر کا معاملہ کرتا ہے۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ کی کیفیت

لیکن جو بندہ کامیابی پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ یا اللہ، یہ جو کچھ کامیابی ہوئی، یہ آپ کی عطا ہے، آپ کا فضل وکرم ہے، آپ کی توفیق ہے، اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، تکبر اس کے پاس بھٹک نہیں سکتا، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو رہے تھے، ایک صحابی فرماتے ہیں کہ وہ منظر مجھے اس طرح یاد ہے جیسے میں آج دیکھ رہا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہیں، اور اس مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں جہاں تیرہ سال تک آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو ظلم وستم کی چکی میں پیسا گیا، ظلم وستم کا کوئی عنوان ایسا نہیں تھا جو آپ کے ساتھ برتا نہ گیا ہو، اور ان لوگوں پر فتح حاصل ہو رہی تھی جو تکبر اور فخر وغرور میں ڈوبے ہوئے تھے، کوئی اور شخص ہوتا تو اس کی گردن اکڑی ہوئی ہوتی، اس کا سینہ تنا ہوا ہوتا، وہ ''**انا ولا غیری**'' کے نعرے لگاتا ہوا داخل ہوتا، اور اپنی فتح اور کامیابی پر مسرت کے شادیانے بجاتا ہوا داخل ہوتا، لیکن جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو آپ اونٹنی پر سوار تھے، سر مبارک اتنا جھکا ہوا تھا کہ آپ کی تھوڑی مبارک سینہ سے لگی ہوئی تھی، اور گردن جھکی ہوئی تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے ''**اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا**'' اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا کہ ہم نے تمہیں فتح مبین عطا فرمادی ہے، اس کو یاد کر کے آپ انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے۔

مکہ والوں کے لئے امن کا پیغام

اس عمل کے ذریعہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فاتح کے لئے مثال قائم فرمادی کہ ایک فاتح کو اپنے مفتوحہ علاقے میں کس طرح داخل ہونا چاہیے، گردن اکڑ کر نہیں، سینہ تان کر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکا کر، مسکنت کے ساتھ، عاجزی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہو، کوئی اور ہوتا تو مکہ مکرمہ میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے **رحمتہ للعٰلمین** بنا کر بھیجا تھا، اس لئے آپ اس طرح داخل ہوئے کہ امن کا پیغام سارے مکہ والوں کے لئے بھجوایا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا، اس کے لئے امن ہے، جو شخص ہتھیار پھینک دے گا، اس کو امن ہے، جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا، اس کے لے امن ہے، حالانکہ اس روز اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی باقاعدہ اجازت دی تھی کہ اگر آپ چاہیں تو مکہ مکرمہ میں خون بہا سکتے ہیں، چونکہ حرم کے بارے میں اصل حکم تو یہ ہے کہ ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا'' جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہوتا ہے، اس کا خون بہانا جائز نہیں ہوتا، لیکن مکہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اجازت دی تھی کہ آپ اگر چاہیں تو ضرورت پڑنے پر کفار کو قتل کر سکتے ہیں، اور ان کا خون بہا سکتے ہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت پر اور اس رخصت پر عمل نہیں فرمایا، اور مکہ شہر میں خون کا ایک قطرہ نہیں بہا، البتہ جس طرف سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے وہاں تھوڑی سی لڑائی ہوئی، لیکن

جس طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے وہاں کوئی لڑائی نہیں ہوئی، اس طرح آپ نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا۔

ہر خوشی کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے رجوع

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ ''فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ'' کہ اس موقع پر آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس بیان کریں، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ بھی اور اپنے قول کے ذریعہ بھی اس پر عمل فرمایا، جیسا کہ گزشتہ جمعہ عرض کیا تھا کہ اس حکم کے بعد آپ رکوع اور سجدے میں یہ الفاظ بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ ''سُبْحٰنَکَ اَللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ'' یا اللہ! آپ کی تعریف ہے، آپ کی حمد ہے، اور میں آپ سے استغفار کرتا ہوں، اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں، اس کے ذریعہ ہم سب کو سبق دیا جارہا ہے کہ چاہے چھوٹی کامیابی ہو، یا بڑی کامیابی ہو، چھوٹی نعمت حاصل ہو، یا بڑی نعمت حاصل ہو، چھوٹی خوشی حاصل ہو، یا بڑی خوشی حاصل ہو، بندے کا کام یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرے، اور اس کی بارگاہ میں انابت سے کام لے، اور یہ کہے کہ اے اللہ، آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اس بات کی توفیق عطا فرمائی۔

شکر ادا کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ایک ایسا عمل ہے جس کے فوائد دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی اتنے عظیم ہیں کہ ہم اور

آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے، شکر ادا کرنے پر ایک وعدہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے کہ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" اگر تم نے شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور نعمتیں عطا کروں گا، اور "لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" اور اگر ناشکری سے کام لو گے تو یاد رکھو، میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا کہ جو شکر گزار بندہ ہوگا، اس کی نعمتوں میں اور ترقی دی جائے گی، لہٰذا دنیاوی اعتبار سے بھی شکر کا فائدہ ہے، کہ جس چیز پر آپ شکر ادا کرو گے، اللہ تعالیٰ اس میں مزید ترقی اور اضافہ عطا فرمائیں گے، مثلاً صحت پر شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ اور صحت عطا فرمائیں گے، مال پر شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ اور زیادہ مال عطا فرمائیں گے، اولاد پر شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ اور عطا فرمائیں گے، غرض جس نعمت پر بھی شکر ادا کیا جائے تو دنیا کے اندر بھی اس نعمت میں اضافہ فرماتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، یہ تو دنیا کا فائدہ ہے۔

شکر کا بدلہ جنت ہے

شکر ادا کرنے پر آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شکر گزار بندے کے لئے جنت رکھی ہے، اور اس کے نتیجے میں انسان کو شیطان سے محفوظ فرما دیتے ہیں، کیونکہ اگر شکر ادا نہیں کرے گا تو تکبر کا شکار ہو جائے گا، خود پسندی کا شکار ہو جائے گا، اور یہ تکبر بے شمار بیماریوں کی جڑ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے شکر کا نسخہ عطا فرمایا جو تکبر کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔

شکر ادا کرنے والا شیطان سے محفوظ رہتا ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ جس وقت اللہ تعالیٰ شیطان کو جنت سے نکال رہے تھے تو اس وقت شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ چونکہ حضرت آدم کی وجہ سے مجھے جنت سے نکلنا پڑا، اس لئے میں آدم کو اور آدم کی اولاد کو بہکاؤں گا، اور میں ان کے سامنے سے ان پر حملہ کروں گا، اور پیچھے سے حملہ کروں گا، دائیں طرف سے حملہ کروں گا، بائیں طرف سے حملہ کروں گا، یعنی چاروں طرف سے آدم کی اولاد کو بہکانے کی کوشش کروں گا، پھر کہا کہ ''وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شٰکِرِیْنَ'' آپ ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے، کیونکہ میرے حملوں کے نتیجے میں وہ شکر ادا کرنے سے غافل ہو جائیں گے، میں ان کو شکر سے غافل کر دوں گا۔ اس سے پتہ چلا کہ شیطان کا سب سے بڑا حربہ یہ ہے کہ بندوں کو اللہ کے شکر سے غافل کر دے، اور جب بھی بندہ شکر سے غافل ہوا تو شیطان کے جال میں آ گیا، اب شیطان اس کے اندر تکبر پیدا کرے گا، حب مال اس کے اندر پیدا کرے گا، حب جاہ اس کے اندر پیدا کرے گا، غصہ اس کے اندر پیدا کرے گا، اور بے شمار برائیاں اس کے اندر پیدا کرے گا، یہ سب شکر نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا۔

ہر وقت شکر ادا کرتے رہو

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے پتہ چلا کہ

اگر شیطان کے حملوں سے بچنا ہے تو شکر کی کثرت کرو، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے جس حال میں بھی تمہیں کوئی مسرت مل رہی ہے یا تمہیں کوئی راحت مل رہی ہے، یا کوئی فائدہ مل رہا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنے کی رٹ لگاؤ، حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مثلاً ہوا کا جھونکا چلا، اچھا لگا، کہو :اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر .گھر میں داخل ہوئے اورسب گھر والوں کو عافیت سے پایا، کہو:اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر . کھانا سامنے آیا، کھانا اچھا ہے، کہو:اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر . گھر سے نکلے، سواری کی تلاش ہے، سواری مل گئی، کہو: اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر . منزل تک پہنچ گئے، کہو:اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر . غرض یہ کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی جو بارش ہورہی ہے، ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنے کی اور کرتے رہنے کی عادت ڈالو۔

شکرایک عظیم خفیہ عبادت ہے

حضرت داؤدعلیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا: اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا . وہ شکرگزار بندے تھے کہ ہروقت اللہ تعالیٰ کے شکر میں مشغول رہتے تھے، یہ شکراتنا بڑا عظیم عمل ہے کہ اس کے بارے میں دوسروں کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس نے کیا عمل کرلیا، کوئی آدمی اگرنمازیں بہت پڑھ رہا ہے تو دیکھنے والے دیکھیں گے کہ یہ شخص بڑا نمازی ہے، اس میں ریاکاری اورنام ونمود کا احتمال بھی ہوجاتا ہے، شیطان اس عمل کے ذریعہ ریاکاری میں مبتلا کرسکتا ہے، لیکن شکرایک ایسی عبادت ہے کہ کسی کو

بھی پتہ نہیں چلتا کہ کیا عبادت انجام پا گئی، تم نے دل ہی دل میں کہہ دیا: اے اللہ: آپ کا کرم ہے آپ کا شکر ہے، کسی کو کان وکان پتہ بھی نہیں چلا، اور ایک عظیم عبادت انجام پا گئی، اس کے نتیجے میں بندہ ریا کاری سے محفوظ ہوگیا، بندہ تکبر سے محفوظ ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مورد بن گیا، یہ ایسی عظیم عبادت ہے، اس لئے اس کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۳ سال میں کایا پلٹ دی

آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی جانفشانی کے ساتھ محنت فرمائی ہے، پورا جزیرہ عرب جاہلیت میں ڈوبا ہوا تھا، کوئی خرابی ایسی نہیں تھی جو اس معاشرے میں نہ پائی جاتی ہو، بتوں کو سجدے کئے جا رہے ہیں، قتل و غارت کا بازار گرم ہے، بے حیائی کا طوفان اٹھا ہوا ہے، ایسے معاشرے کی اصلاح کے لئے تن تنہا ایک فرد پر ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے کہ، پہلے اس پورے جزیرہ عرب کو بدلنا ہے، اور اس کے بعد پوری دنیا کو بدلنا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بخار آ گیا، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ کتنی ضدی قوم ہے، آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ اتنی آسانی سے بات ماننے والے نہیں ہیں، ان کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری سونپی گئی، اور کل ۲۳ سال کی مدت دی گئی، ۲۳ سال کی مدت گزرنے کے بعد پورے جزیرہ عرب میں توحید کا پرچم لہرا رہا تھا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور چاروں طرف پھیلا ہوا تھا، اتنی عظیم جدوجہد آپ نے فرمائی کہ اپنا وطن چھوڑا، قربانیاں دیں،

فاقے سہے، جنگیں لڑیں، اپنے جسم پر زخم کھائے، یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب فتح حاصل ہوئی تو اس وقت کہا جارہا ہے کہ اس فتح کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد کرو، اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندوں میں شمار ہوجائیں، اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دوسرا کلمہ اس آیت کا ؛واستغفرہ؛ ہے، زندگی رہی تو انشاءاللہ آئندہ جمعہ کو اس کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

ہر عبادت کے بعد دو کام

تفسیر سورۂ نصر (۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	05th-Mar-2010
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر عبادت کے بعد دو کام

شکر اور استغفار

(تفسیر سورۂ نصر (۳))

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۞ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۞ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۞ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز، یہ سورۃ نصر کی آیات ہیں جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، اور گزشتہ دو جمعوں سے انہی کی تشریح کا بیان چل رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری سالوں میں نازل ہوئی تھی، اور اس میں آپ کو یہ بشارت دی گئی تھی کہ عنقریب یہ مکہ مکرمہ آپ کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی، اور جزیرۂ عرب کے لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوں گے، اس موقع پر آپ کو کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ" کہ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں، اور اس سے استغفار کریں "اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا" اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت توجہ کرنے والا ہے، یہ ہے اس آیت کا ترجمہ۔

کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے

اس سورت میں ہمارے لئے جو سبق ہیں، ان میں سے دو کا بیان گزشتہ دو جمعوں میں ہو چکا ہے، تیسرا سبق جو اس سورت سے ہمیں ملتا ہے، وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کے بعد، اور لوگوں کے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے کے بعد جس طرزِ عمل کی تعلیم دی گئی، اس کا خلاصہ دو باتیں ہیں:۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے، مغفرت مانگیے، جہاں تک شکر کا تعلق ہے، یہ بات تو واضح ہے کہ جب فتح حاصل ہو رہی ہے، جب کامیابی مل رہی ہے تو اس کامیابی کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھئے، اور اس پر شکر ادا کیجئے، اس سے یہ سبق ملا کہ جب بھی

انسان کوکوئی بھی کامیابی حاصل ہوتو اس کو اپنی قوت بازو کا کرشمہ سمجھنے کے بجائے اللہ جل جلالہ کا فضل وکرم سمجھ کر، اسکا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

سوچنے کی بات

اس آیت میں دوسری بات یہ فرمائی کہ "**واستغفرہ**" کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے، استغفار کے معنی ہیں "مغفرت مانگنا" معافی مانگنا، اور عام طور پر مغفرت اور معافی اس وقت مانگی جاتی ہے جب انسان سے کوئی غلطی ہوجائے، کوئی گناہ کوئی قصور سرزد ہو، اس وقت معافی مانگی جاتی ہے کہ یا اللہ! مجھ سے یہ قصور ہوگیا، اپنی رحمت سے مجھے معاف کردیجئے، یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب سب کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق انجام دے دیا، اور بحیثیت رسول اور پیغمبر کے جو فرائض آپ کو سونپے گئے تھے، وہ سارے فرائض بطریق احسن آپ نے انجام دے دیے، اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا کہ ۲۳ رسال کی مختصر سی مدت میں پورے جزیرۂ عرب میں ایک ایسا انقلاب برپا فرمایا کہ عقلیں اس پر حیران ہیں، وہ قوم جو جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی، اس قوم کو نہ صرف یہ کہ سیدھا راستہ دکھایا، بلکہ ان کو بت پرستی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل کیا، اور ان کے اخلاق سدھارے، ان کی وہ بری عادتیں جوان کی رگ وپے میں سمائی ہوئی تھیں، جن کے چھوڑنے کا بھی تصور نہیں ہوتا تھا، وہ عادتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چھڑوائیں۔

شراب کی حرمت پر صحابہ کا ردعمل

آپ ذرا اندازہ کریں کہ جب آدمی کسی چیز کا عادی بن جاتا ہے تو اس

عادت کا چھوڑنا اس کے لئے دشوار ہوتا ہے، مثلاً کوئی تمبا کو کا عادی بن جائے، یا نسوار کا عادی بن جائے، لیکن سب سے زیادہ خطرناک عادت شراب کے نشے کی ہے کہ آدمی شراب کا عادی بن جائے، شراب اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، کون شخص ایسا تھا جو شراب نہ پیتا ہو، اور اس کا عادی نہ ہو، اس کا چھڑوانا کوئی معمولی بات نہیں تھی، آج پوری دنیا کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ شراب چھوڑ دیں، لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو رہے ہیں، امریکہ میں ایک مرتبہ شراب چھڑانے کی تحریک چلی، اس کے نتیجہ میں وہ شراب اور زیادہ پھیل گئی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے نتیجے میں، آپ کی کوششوں کے نتیجے میں اہل عرب نے شراب اس طرح چھوڑی کہ جب شراب کی حرمت کا حکم آیا تو صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے، اور شراب کا دور چل رہا ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سب کو شراب پلا رہا تھا، اچانک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک منادی کی آواز آئی کہ:

اَلا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ

سن لو! کہ شراب آج سے حرام کر دی گئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اعلان سننے کے بعد یہ حال ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا، اور وہ منہ کے قریب پہنچ چکا تھا، اس نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ ایک گھونٹ اور پی لے، بلکہ اسی وقت پیالے کو پھینک دیا، اس کے بعد کسی نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، مٹکے توڑ دیے، اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں پانی کی طرح شراب بہنے لگی، یہ تو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کارنامہ تھا۔

اب مجھ سے یہ توقع مت رکھنا

اس کے علاوہ اہل عرب میں بے حیائی اور فحاشی کا بازار گرم تھا، حضرت مدثر بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں میرے ایک عورت سے تعلقات تھے، اور بہت گہرے تعلقات تھے، جب میں اسلام لے آیا تو اس کے بعد وہ ایک مرتبہ مجھے ملی، اور اس نے مجھے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، اور کہا کہ ہمارا تمہارا دوستانہ تھا، لیکن اتنے دنوں سے تم سے ملاقات نہیں ہو رہی تھی، آج اتنے دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے، آؤ ہم اپنی ماضی کی سابقہ زندگی کو یاد کریں، حضرت مدثر نے فرمایا کہ اب میں اسلام لا چکا ہوں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر چکا ہوں، لہٰذا اب مجھ سے یہ توقع مت رکھنا کہ میں یہ گناہ کروں گا، وہ عورت حیران ہوئی، اور اس نے کہا کہ تم وہی مدثر ہو جو میرے ساتھ اتنی محبت اور رغبت اور عشق کا مظاہرہ کرتے تھے، حضرت مدثر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دے دی ہے، میں اسلام لا چکا ہوں، اب یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا، اس خاتون نے کہا کہ میں تو تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی، لہٰذا ایسا کرو کہ تم میرے ساتھ نکاح کرلو، حضرت مدثر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مشرک ہو، میں مومن ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ میرا تمہارے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا، میں پہلے جا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں گا، اگر آپ نے اجازت دی تو بے شک تم سے نکاح کرلوں گا، لیکن اگر اجازت نہ دی تو پھر میں تمہارے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا، چنانچہ آپ تشریف لے گئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اسی وقت

قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوگئی،

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ (البقرة : ٢٢١)

کسی مشرک عورت سے نکاح مت کرنا جب تک وہ ایمان نہ لے آئے، اور ایک مومن باندی مشرک آزاد عورت سے بہتر ہے، حضرت مدثر نے جاکر اس خاتون سے کہہ دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی، لہٰذا میں اب تم سے نکاح نہیں کرسکتا۔

کیا یہ انقلاب کوئی گناہ تھا؟

بہرحال! یہ قوم اس طرح گمراہی میں پڑی ہوئی تھی کہ بری بری عادت اس کی رگ وپے میں سمائی ہوئی تھیں، ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزہ بنادیا، ان کے اندر آخرت کی فکر پیدا کردی، انسانوں کو انسان بنادیا، درندگی اور بربریت جو ان کے اندر سمائی ہوئی تھی، اس کو ان کے اندر سے نکال پھینکا، ۲۳ر سال میں یہ سارا انقلاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا فرمایا، محنتیں کیں، فاقے سہے، جنگیں لڑیں، جان ومال کی قربانیاں دیں، کیا یہ انقلاب کوئی گناہ تھا؟ کوئی غلطی تھی جس پر استغفار کیا جائے؟ ارے یہ تو آپ کا بڑا عظیم کارنامہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جب تم نے یہ کارنامہ انجام دے دیا، اس کے بعد بھی استغفار کرو، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔

نیک کام کے بعد بھی استغفار کرو

اس سے یہ سبق دیا کہ انسان نے جو کوئی بھی اچھا کام کیا ہو، کوئی نیکی کی ہو،

کوئی عبادت کی ہو، سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق تو کوئی ادا کر ہی نہیں سکتا، چاہے وہ کتنی ہی عبادت کرلے، کتنی ہی نیکی کرلے، اس ذات کی نعمتوں کا حق ادا نہیں ہوسکتا، لہٰذا بندہ کا کام یہ ہے کہ کرتا بھی جائے، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت بھی مانگتا جائے، کہ اے اللہ، اس کام میں مجھ سے جو کوتاہیاں ہوئی ہوں، ان کو معاف کردے۔

آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے

بہرحال، عبادت، بندگی، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کوئی بھی شخص حق تو ادا نہیں کرسکتا، اس لئے اس کا کام یہ ہے کہ عبادت کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تو اتنا طویل قیام کرتے کہ پاؤں پر ورم آجاتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں خدا نہ کرے اس حالت میں آپ کی روح تو پرواز نہیں کرگئی، چنانچہ میں نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا، اتنا لمبا سجدہ آپ نے ادا فرمایا، اتنی لمبی لمبی عبادت انجام دے رہے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ سے خطاب کرکے فرمارہے ہیں:

مَا عَبَدْنٰکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ

مَا عَرَفْنٰکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ

اے اللہ، ہم آپ کی عبادت کا حق ادا نہ کرسکے، اور آپ کی معرفت کا حق ادا نہ کرسکے۔

کوتاہیوں پر استغفار کرو

اس سے یہ تعلیم دے دی کہ چاہے کتنی بڑی نیکی، کتنی بڑی عبادت تمہارے ذریعہ سرزد ہوگئی ہو، اس پر اکڑنے اور اترانے، اور ناز کرنے کے بجائے ایک تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس بیان کرو، اور دوسرے یہ کہ اس پر استغفار بھی کرو کہ یا اللہ! اس میں جو کچھ کوتاہیاں ہوئی ہوں، اس کو معاف فرما۔

وہ اپنی عبادت سے استغفار کرتے ہیں

دیکھئے، قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

(الذّٰریٰت : ۱۷، ۱۸)

یہ نیک بندے رات کو بہت کم سوتے تھے، اور ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے تھے، یعنی عبادت میں مشغول رہتے تھے، اور سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ، اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو رات کو عبادت کرتے ہیں تو سحری کے وقت یہ کس چیز سے استغفار کرتے ہیں؟ کوئی گناہ تو کیا نہیں، جس سے وہ استغفار کر رہے ہوں، جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ اپنی عبادت سے استغفار کرتے ہیں، یعنی اے اللہ، عبادت کرنے میں جو کوتاہی ہوئی، اس پر میں استغفار کرتا ہوں، یہ طریقہ خود قرآن کریم نے سکھایا کہ عبادت کرنے کے بعد بھی استغفار کرو۔

نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار

اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ نماز پوری کرنے پر سلام پھیرتے تو اس وقت آپ تین مرتبہ: **استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ** . پڑھا کرتے، یہاں بھی وہی بات ہے کہ کوئی گناہ تو نہیں کیا، بلکہ نماز پڑھی، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، لیکن پھر بھی فرمارہے ہیں: **استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ**. مطلب یہ ہے کہ اے اللہ، نماز تو پڑھ لی، مگر جیسی نماز پڑھنی چاہیے تھی، ویسی نماز نہیں پڑھ سکا، نماز کا جیسا حق ادا کرنا چاہیے تھا، ویسا حق ادا نہیں کرسکا، اس لئے اے اللہ، میں آپ سے استغفار کرتا ہوں، اور آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

نماز کی ناقدری نہ کریں

یہاں یہ بات ہمارے سمجھنے کی ہے، وہ یہ کہ بسا اوقات ہم لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں، وہ بے روح ہیں، بے جان ہیں، ان کے اندر کوئی حقیقت نہیں، بس اٹھک بیٹھک کرکے اور وقت گزاری کرکے چلے جاتے ہیں، اس خیال کے نتیجے میں یہ ہوتا ہے کہ جو نماز پڑھنے کی ہمیں توفیق ملی اس کی ناشکری ہوجاتی ہے، اور ہم کہنے لگتے ہیں کہ ارے ہم کیا، اور ہماری نمازیں کیا؟ یہ تو اٹھک بیٹھک کررہے ہیں، ایک رسم پوری کررہے ہیں، اس نماز میں روح اور جان تو ہے نہیں، یاد رکھئے: ایسا کہنا بالکل فضول بات ہے۔ ویسے بات تو صحیح ہے کہ ہم نماز کا حق ادا نہیں کررہے، لیکن بہرحال، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ان لوگوں سے ہماری

حالت بہتر ہے جن لوگوں کو اس کی بھی توفیق نہیں، بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کو مسجد میں بھی آنے کی توفیق نہیں ہوتی، جن کو نماز پڑھنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان جیسا نہیں بنایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں حاضری کی توفیق دے دی، اس لئے اس نماز کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے، بعض اوقات شیطان اس دھوکہ میں مبتلا کر دیتا ہے کہ تمہاری نماز میں نماز کی حقیقت تو موجود نہیں ہے، لہٰذا تمہاری نماز بے جان ہے، اس میں کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر وہ رفتہ رفتہ نماز چھڑوا دیتا ہے۔

ہر عبادت کے بعد دو کام کرو، شکر اور استغفار

لہٰذا صحیح طریقہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تلقین فرمایا کہ جس عمل کی بھی توفیق ہوئی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور کہو: اے اللہ، آپ کا شکر ہے کہ آپ نے یہاں پر حاضری کی توفیق عطا فرمادی، اے اللہ، آپ کا فضل وکرم ہے کہ آپ نے نماز پڑھنے کی توفیق دے دی، اس طرح شکر ادا کرو، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ استغفار بھی کرو، اور کہو: اے اللہ، آپ نے اپنے فضل وکرم سے اس عبادت کو انجام دینے کی توفیق دے دی، جس پر میں شکر ادا کرتا ہوں، لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت ہے کہ میں اس عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا، اس عبادت میں نہ جانے کتنی غلطیاں ہوئیں، کتنی کوتاہیاں ہوئیں، اے اللہ، میں ان کوتاہیوں پر استغفار کرتا ہوں، لہٰذا شکر بھی ادا کرو، تسبیح اور تحمید بھی کرو، اور ساتھ میں استغفار بھی کرو، یہ دو کام کر لو گے تو انشاء اللہ وہ عبادت قبول ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہماری عبادت سے بے نیاز ہے

ارے! اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت سے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچتا، اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادتوں سے کوئی مزہ تو نہیں آتا، اس کی شان کبریائی تو ایسی ہے کہ اگر ساری کائنات مل کر اس کی نافرمانی کرنے لگے تو اس کی عظمت وجلال میں، اس کی کبریائی میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی، اور اگر ساری کائنات مل کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے، تو اس کی عظمت وجلال میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، وہ جیسا ہے ویسا ہی رہے گا، وہ تو: **اللہ الصمد.** ہے، وہ تو بے نیاز ہے، وہ تو بندوں کی عبادت سے بے نیاز، بندوں کے ذکر سے، بندوں کے شکر سے بے نیاز، لیکن جب بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اگر وہ بندہ بن کر رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نواز ہی دیتے ہیں، اور بندہ بننے کا راستہ یہ ہے کہ جس عبادت کی توفیق ملی اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور عبادت میں جو کوتاہیاں ہوئیں، اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔

اس نے میری کمر توڑ دی

میں نے اپنے شیخ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک مقولہ سنا، انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز کے بعد اور سلام پھیرنے کے بعد دو کلمات کہے، ایک کلمہ: **الحمدللہ.** اور دوسرا: **استغفر اللہ.** تو اس وقت شیطان کہتا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ دی: **الحمدللہ.** اس لئے کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز پڑھنے کی جو توفیق عطا فرمائی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اور مجھ سے نماز کے اندر جو کوتاہیاں ہوئیں، اس پر: **استغفر اللہ.** کہہ کر

استغفار کرتا ہوں، تو شیطان کہتا ہے کہ اس بندے نے میری کمر توڑ دی، کیونکہ شیطان انسان کو دو طریقوں سے بہکاتا ہے، یا تو اس طریقے سے بہکاتا ہے کہ اس انسان کو تکبر اور فخر اور غرور میں مبتلا کر دیتا ہے کہ یہ عبادت کر کے تو نے بڑا کارنامہ انجام دیا، تو اب متقی اور عبادت گزار بن گیا، اس کے جواب میں بندہ کہے: **الحمدللّٰہ**. یہ عبادت ادا کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے دی، لہٰذا تعریف صرف اسی کی ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں، میرے لئے اس پر فخر وغرور کا کوئی موقع نہیں ہے، شیطان کے بہکانے کا دوسرا راستہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بندے کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ ارے یہ کیسی تو نے نماز پڑھی؟ یہ نماز تو بالکل بے جان اور بے روح تھی، نہ اس میں خشوع تھا، نہ اس میں خضوع تھا، نہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تھی، ایسی بے روح نماز کس کام کی؟ تو نے بے کار نماز پڑھی، لہٰذا ایسی نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ شیطان یہ خیال دل میں ڈالتا ہے، اس کا علاج یہ کر دیا کہ نماز کے فوراً بعد کہو: **استغفر اللّٰہ**. یا اللہ، نماز میں جو کوتاہی ہوئی ہے، میں اس پر معافی مانگتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو کوئی بندہ، بندہ بن کر معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی معافی کو ضرور قبول فرماتے ہیں، جب معافی قبول فرمائیں گے تو نماز بھی قبول ہو جائے گی۔

ایک بزرگ کا واقعہ

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے جو روزانہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے، وضو کرتے، اور نماز تہجد ادا کرتے، یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا، ایک شاگرد بھی خدمت کے لئے ان کے ساتھ

اٹھا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی آزمائش بھی ان کے معیار کے مطابق ہوتی ہے، ایک دن نماز تہجد کے لئے اٹھے اور وضو کرنا شروع کیا تو ایسا محسوس ہوا کہ آسمان سے یہ آواز آرہی ہے کہ تو یہ کیا محنت کررہا ہے، نہ تیرا وضو قبول ہے، نہ تیری نماز قبول ہے، نہ تیرا رکوع قبول ہے، نہ تیرا سجدہ قبول ہے، انہوں نے اپنے کانوں سے خود یہ آواز سنی، اوران کے شاگرد نے بھی یہ آواز سنی، لیکن ہمیشہ کی طرح پورے اطمینان سے وضو کیا، اوراطمینان سے تہجد کی نماز ادا کی، جب اگلے روز پھر تہجد کی نماز کے لئے اٹھے، جب وضو کرنے لگے تو پھر وہی آواز آئی، یہ تو کیا محنت کررہا ہے، نہ تیرا وضو قبول، نہ تیری نماز قبول، نہ تیرا رکوع قبول، نہ تیرا سجدہ قبول، ان بزرگ نے آواز سنی، لیکن حسب معمول انہوں نے اطمینان سے وضو کیا، اوراطمینان سے نماز ادا کی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس شاگرد نے کہا کہ حضرت: یہ دو دن سے اوپر سے آواز آرہی ہے کہ نہ تیری نماز قبول، نہ تیرا رکوع قبول، نہ تیرا سجدہ قبول، پھر آپ کیوں اتنی مشقت اٹھارہے ہیں؟ جواب میں ان بزرگ نے فرمایا کہ وہ چاہیں قبول کریں یا نہ کریں، اگر کوئی دوسرا دروازہ ہو تو بتاؤ، میں وہاں چلا جاؤں؟ دروازہ تو صرف ایک ہی ہے، وہ قبول کریں یا نہ کریں، وہ اگر قبول نہیں کریں تو معافی بھی انہی سے مانگنی ہے، استغفار بھی انہی سے کرنا ہے، رجوع بھی انہی کی طرف کرنا ہے: **لَا مَلْجَا وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ.** اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر کہیں اور نہیں جاسکتا، اللہ تعالیٰ ہی کے دامن میں پناہ لینی ہوگی، لہٰذا وہ قبول کریں یا نہ کریں، یہ ان کا کام ہے، لیکن میرا کام تو یہ ہے کہ میں اس در کو نہیں چھوڑوں گا، اسی در کو کھٹکھٹاتا رہوں گا، جب ان بزرگ نے یہ جواب دیا کہ تو دوبارہ آسمان سے آواز آئی کہ تیرا وضو بھی قبول، تیری نماز بھی قبول، تیرا رکوع بھی قبول، تیرا سجدہ بھی قبول، مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ اس واقعہ کو نقل کرتے

ہوئے فرماتے ہیں کہ.

قبول است اگر چه هنر نیست
که جز ما پناه دگر نیست

یعنی اگر چہ تیرے اس عمل میں کوئی خاص ہنر تو نہیں ہے، پھر بھی تیرے اس کہنے کی وجہ سے تیرا عمل قبول کرلیا، کیونکہ ہمارے علاوہ تیری کوئی اور پناہ گاہ بھی نہیں ہے، درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی، اور وہ اس آزمائش میں پورے اترے۔

ہر عبادت کے بعد دو کام کرلو

بہر حال: یہ جو اللہ تعالیٰ کسی بھی عبادت کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں، چاہے وہ نماز ہو، روزہ ہو، صدقہ ہو، خیرات ہو، کوئی بھی نیک کام ہو، اس میں یہ دو کام کرنے کی اس آیت میں تلقین فرمائی گئی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اس عبادت پر شکر ادا کرو، اور اس عبادت میں ہونے والی کوتاہی پر استغفار کرو، اگر ان دو کاموں کا ہم معمول بنالیں تو انشاء اللہ بارگاہ الٰہی میں تمام عبادتیں ہماری قبول ہوجائیں گی، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نوازیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

سورۂ کافرون

تفسیر سورۂ کافرون (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	08th-Jan-2010
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکافرون

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ٭ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ٭ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ٭ وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ٭ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ٭ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَ لِیَ دِیْنِ ٭ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولا نا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین .

فجر کی سنتوں میں آپ کا معمول

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! میں نے ابھی آپ کے سامنے جو سورت

تلاوت کی ہے، اس کو سورۃ الکٰفرون کہتے ہیں، اور اس کا ایک نام سورۃ العبادۃ بھی ہے، اور یہ ان سورتوں میں سے ہے جو اکثر مسلمانوں کو یاد ہوتی ہیں اور بکثرت نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، احادیث میں اس سورت کی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، روایات میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دوسنتوں میں پہلی رکعت میں عام طور سے **قل یاایھا الکافرون** پڑھتے تھے، اور دوسری رکعت میں **قل ھو اللہ احد** پڑھتے تھے، فجر سے پہلے کی دوسنتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سورت کو پڑھنے کا معمول تھا، اور اسی طرح مغرب کے بعد کی دوسنتیں ہیں، ان میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے پہلی رکعت میں قل یاایھا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد،

سونے سے پہلے کیا پڑھنا چاہیے

آپ نے متعدد صحابہ کرام کو یہ تلقین فرمائی کہ رات کو سونے سے پہلے جب بستر پر جاؤ تو سونے سے پہلے **قل یاایھا الکافرون** ضرور پڑھ لیا کرو، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں شرک اور کفر سے برات اور نجات عطا فرمائیں گے، گویا سورۃ الکافرون کا پڑھنا آپ نے بہت سے صحابہ کرام کو تلقین فرمایا، حضرت انس رضی اللہ عنہ، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھنے کی تلقین فرمائی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے سے پہلے آدمی یہ چار سورتیں پڑھ لے، **قل ھو اللہ احد. قل یاایھا الکٰفرون. قل اعوذ برب الفلق. قل اعوذ برب الناس.** ان کو چاروں قل بھی کہتے ہیں، چاروں قل پڑھ کے

اور پھر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے اور اپنے پورے جسم کے اوپر پھیر لیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہ معمول تھا، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بہت سی بلاؤں سے اور شیاطین سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، غرض یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الکٰفرون کی متعدد مقامات پر پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔

سفر میں پڑھنے سے پریشانی ختم ہو جائے گی

حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسا طریقہ بتاؤں کہ جب کبھی تم سفر کرو گے، اور تم اس پر عمل کرو تو سفر کے دوران تم دوسروں سے زیادہ خوشحال رہو گے، دوسروں سے زیادہ پر امن رہو گے، اور دوسروں سے زیادہ مسرت میں رہو گے، حضرت جبیر ابن مطعم نے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے تو سفر پیش آتے رہتے ہیں اور مجھے ایسے عمل کی بلا شبہ ضرورت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سفر کے دوران یہ پانچ سورتیں، سورۃ الکافرون، سورۃ النصر، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق، اور سورۃ الناس پڑھا کرو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں سفر میں کامیاب اور خوشحال رکھیں گے، چنانچہ حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنا معمول بنا لیا کہ میں جہاں کہیں کسی سفر میں بھی جاتا تو یہ سورتیں بکثرت تلاوت کیا کرتا تھا، اس سے پہلے مجھے جو سفر پیش آتے تھے، ان سفروں میں مجھے بکثرت مشکلات اٹھانی پڑتی تھیں، پریشانیاں ہوتی تھیں، بعض اوقات فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی تھی، کھانے پینے میں دشواری ہوتی تھی، لیکن جب سے میں نے حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل شروع کیا اور ان پانچ سورتوں کی تلاوت شروع کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے مجھے ہر سفر میں کامیابی ہوتی تھی، ہر سفر میں میں خوشحال رہتا تھا، یہ بھی اس سورت کی ایک فضیلت ہے۔

بچھو کے کاٹنے کا اثر جاتا رہا

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بچھو نے کاٹ لیا جہاں بچھو نے کاٹا تھا آپ اس کے اوپر نمک اور پانی ڈالتے رہے اور ساتھ میں قل یایھا الکفرون کی تلاوت فرماتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے کاٹنے کا جو اثر تھا وہ ذائل ہو گیا، غرض اس سورت کی اور بہت سی فضیلتیں احادیث میں آئی ہیں، اس لئے ہمیں اپنے معمول میں یہ سورت رکھنی چاہیے، اور کم از کم فجر کی نماز کی سنتوں میں، اور مغرب کی سنتوں میں، رات کو سوتے وقت، اور سفر کے دوران اس کو پڑھنے کا معمول بنانا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین

اس سورت کا شان نزول

سورت کی تفسیر سے پہلے اس کا شان نزول جاننے کی ضرورت ہے کہ کس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی تھی، روایات میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت شروع کی اور لوگوں کو توحید کی طرف بلانا شروع کیا تو جن لوگوں کے مقدر میں ہدایت تھی انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کیا، اور اسلام میں داخل ہوئے، بتوں کی پرستش چھوڑ دی،

توحید کے قائل ہوگئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کردی، لیکن مکہ کے بہت سے بڑے بڑے سردار جو مشرک اور کافر چلے آتے تھے، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کے نتیجے میں یہ اندیشہ تھا کہ ان کی چودھراہٹ خطرے میں پڑ جائے گی، انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کی مخالفت پر کمر باندھے رکھی، اور آپ کی بات نہیں مانی، جب مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہوگئی اور ان کافروں کو یہ خطرہ ہونے لگا کہ ان کی تعداد مزید بڑھے گی تو ہمارے لئے ایک مسئلہ بن جائے گا، تو ایک موقع پر مکے کے بڑے بڑے چند سردار جن میں سے ایک کا نام عاص ابن وائل تھا، ایک ولید بن مغیرہ تھا، ایک اسود تھا، ان تینوں نے آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مصالحت کی پیش کش کی، کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اختلافات کی خلیج بڑھتی جارہی ہے اور مکہ مکرمہ دو گروھوں میں بٹ رہا ہے، ان کے درمیان بحث مباحثہ ہوتا رہتا ہے، بعض اوقات تلخی کی نوبت بھی آجاتی ہے، اور ہماری طرف سے مسلمانوں پر ظلم وستم اور تشدد بھی بہت ہوتا ہے تو آیئے ہم ایک بات پر متفق ہوجاتے ہیں، اس پر مصالحت کرلیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرسکتا

انہوں نے مصالحت کے لئے پہلی تجویز یہ پیش کی کہ آپ جس خدا کی اور جس اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے ہو، ہم بھی اس کی عبادت کرنے کو تیار ہیں لیکن ایک سال ہم آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے، کسی اور کی

عبادت نہیں کریں گے اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرو، بتوں کی عبادت کرو اور اس میں ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ تو ایک سال آپ کا اور ایک سال ہمارا، ہم ایک سال آپ کے دین پر عمل کریں گے، اور آپ ایک سال ہمارے دین پر عمل کرو تو اس طرح ہمارے درمیان مصالحت ہو سکتی ہے پھر ہماری لڑائی ختم ہو جائے گی اور ہمارے درمیان اختلافات دور ہو جائیں گے، درحقیقت بات یہ تھی کہ جہاں تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو ماننے کا تعلق ہے وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی درجے میں مانتے تھے لیکن انہوں نے ساتھ میں بتوں کو شریک کر رکھا تھا اس لئے انہوں نے سوچا کہ ہمارا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے اس طرح بتوں کی عبادت جاری رہے گی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی جاری رہے گی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک سال بتوں کی عبادت کرنے لگیں گے تو ہماری بات اونچی ہو جائے گی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ ممکن نہیں ہے، میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کر سکتا، میں تو اسی مقصد اور اسی مشن کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کی طرف لوگوں کو دعوت دوں اور لوگوں کو شرک سے منع کروں میرے لئے یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔

کفار کی دوسری اور تیسری پیش کش

انہوں نے ایک اور پیش کش کی کہ آپ ایسا کرو کہ جب مسجد حرام میں آؤ اور تم جس کو خدا مانتے ہو اسی کی عبادت کرو لیکن اس کعبے کے اندر ہمارے جو بت

رکھے ہوئے ہیں بس ان کو ہاتھ لگالیا کرو، اور باقی آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی انکار فرمایا، پھر تیسری پیش کش یہ کی کہ ہم آپ کو ہر طرح کا مال و دولت دینے کو تیار ہیں، آپ کو سردار ماننے کو تیار ہیں، آپ کی خدمت میں عرب کا بہترین حسن و جمال پیش کرنے کو تیار ہیں لیکن آپ اتنا کرو کہ ہمارے بتوں کی معبودیت کا انکار نہ کیا کرو، بس خاموش رہو، یہ نہ کہو کہ بت خدا نہیں ہے، خاموشی اختیار کرلو، تو اس موقع پر اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پیشکشوں کا جواب دینے کی تعلیم دی گئی تھی۔

تم اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ قل آپ ان لوگوں کی پیشکش کے جواب میں کہہ دو، یٰـاَیُّهَـا الْـكٰـفِرُوْن، اے کافرلوگو! لَا اَعْبُـدُ مَـا تَعْبُدُوْن ، میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو، وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَـا اَعْبُدُ، اور نہ تم اس خدا کی عبادت کرتے ہو جن کی میں عبادت کرتا ہوں یعنی بتلانا یہ مقصود ہے کہ اگرچہ نام تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا لیتے ہو لیکن حقیقت میں تم اس کو نہیں مانتے، وہ: لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ . کہا کرتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتے تھے، قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب کشتی میں سفر کر رہے ہوتے اور طوفان آجاتا اور کشتی خطرے میں آجاتی تھی تو سب اپنے تمام بتوں کو بھول جاتے تھے، اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے کہ یا اللہ! ہمیں اس مشکل سے نکال لے اور جب

اللہ تبارک وتعالیٰ مشکل سے نکال کر ان کو کنارے تک پہنچا دیا کرتا تھا پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے تھے اور پھر بتوں کی پرستش شروع کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو مانتے تو تھے، اور زبان سے بھی کہتے تھے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کو مانتے ہیں۔

تمہارا خدا اور ہمارا اللہ

لیکن اس آیت کریمہ نے یہ بتایا کہ **ولا انتم عابدون ما اعبد**. جس خدا کی میں عبادت کر رہا ہوں حقیقت میں تم اس خدا کی عبادت نہیں کرتے، چاہے اس کا نام لیتے ہو لیکن حقیقت میں وہ خدا کوئی اور ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو، اور میرا خدا کوئی اور ہے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اس لئے کہ میرا خدا تو وہ ہے جس کے ساتھ کوئی ساتھی نہیں، جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، جس کو کسی دوسرے کی احتیاج نہیں، جو پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے، وہی تنہا کائنات کا نظام چلانے والا ہے، وہ ہے میرا خدا اور تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جس خدا کا حوالہ دیتے ہو، تمہارے خیال کے مطابق، تمہارے تصورات کے مطابق وہ تو ایسا خدا ہے کہ وہ اپنے سارے اختیارات ان بتوں کو دے کر خالی بیٹھا ہے، اب جو کچھ کر رہے ہیں یہ بت کر رہے ہیں، رزق دے رہے ہیں تو یہ بت دے رہے ہیں، اولاد دے رہے ہیں تو یہ بت دے رہے ہیں، اور صحت دے رہے ہیں تو یہ بت دے رہے ہیں، لہٰذا وہ خدا جس کو تم مانتے ہو وہ کوئی اور ہے، اور میں جس خدا کو مانتا ہوں وہ کوئی اور ہے، **ولا انتم عابدون ما اعبد**. تم عبادت کرنے والے نہیں ہو اس خدا کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں، میں تو اس خدائے **وحدہ لاشریک لہ** کی عبادت

کرتا ہوں جس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں، جس کا کوئی ساتھی نہیں اور تم ایسے خدا کی عبادت کرتے ہو جس کے بے شمار شرکاء ہیں، لات ہے، عزّٰی ہے، جبل ہے، منات ہے، خدا جانے کیا کیا نام تم نے گھڑ رکھے ہیں۔

میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرونگا

پہلے تو یہ کہا تھا کہ: لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ. میں عبادت نہیں کرتا ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو، آگے کے لئے فرمایا: وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ. اور جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو اب تک میں ان کی آئندہ بھی عبادت کرنے والا نہیں ہوں، کبھی تم اس دھوکہ میں رہو کہ کبھی کوئی ایسا وقت آئے گا کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا: وَلَا اَنَا عٰبِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ. جن کی عبادت تم کرتے رہے ہو میں ہرگز ان کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں، میں قیامت تک کبھی بھی ان کی عبادت نہیں کروں گا۔

تم آئندہ بھی ایمان نہیں لاؤ گے۔

وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ. اور پھر دوبارہ دہرایا کہ تم بھی آئندہ عبادت نہیں کرو گے اس خدا کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اس کی عبادت تم آئندہ بھی نہیں کرو گے، یہ ان کافروں سے خطاب ہے جن کے بارے میں یہ بات طے تھی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، یہ جن کافروں نے صلاح کی پیش کش کی تھی، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ ان کے سامنے کتنے ہی روشن دلائل آجائیں، یہ حق کو ماننے والے نہیں ہیں، اس لئے ائندہ کے بارے میں بھی پیشن گوئی فرمادی

کہ تم بھی ائندہ اس خدا کی عبادت نہیں کرو گے، جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

میرے لئے میرا دین اور تمہارے لئے تمہارا دین

جب یہ بات ہے تو: لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ. تمہارے لئے تمہارا دین ہے میرے لئے میرا دین ہے، یعنی مجھے جو دین اللہ تبارک وتعالیٰ نے سکھایا ہے، جس کا میں قائل ہوں وہ اور ہے اور تمہارا دین جس پر تم قائم ہو، جس پر تم جمے بیٹھے ہو، وہ الگ دین ہے، تم جانو اور تمہارا دین جانے، اور میں جانوں اور میرا دین جانے، لہٰذا یہ جو تم مصالحت کی پیش کش کر رہے ہو یہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے، یہ ہے اس سورت کا مفہوم، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور یہ سورت باآواز بلند ان سرداروں کے سامنے پڑھ کر سنائی جو یہ مصالحت کی پیش کش لے کر آئے تھے، اور اس کے بعد ان کو پتہ چل گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک انچ بھی اپنے موقف سے ہٹنے والے نہیں ہیں، یہ ہے آیت کریمہ کی تفسیر، اس سورت میں ہمیں بہت سے سبق ملتے ہیں اور بڑی ہدایات حاصل ہوتی ہیں لیکن اب وقت ختم ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو اگلے بیان میں اس کی تفسیر عرض کروں گا انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں اپنے دین کی قدر پہچاننے اور اس پر قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہ رب العلمین

سورۂ کافرون

تفسیر سورۂ کافرون (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	22nd-Jan-2010
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکافرون

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرا۔اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ قُلْ یٰاَیُّھَاالْکٰفِرُوْن ۞ لَا اَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْن ۞ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۞ وَلَا اَنَاعَابِدٌمَّاعَبَدْتُمْ ۞ وَلَااَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَااَعْبُدُ ۞ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَ لِیَ دِیْنِ ۞ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولا نا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین و الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین .

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! میں نے آپ کے سامنے سورۃ الکٰفرون کی

تلاوت کی اور گزشتہ جمعہ میں نے آپ حضرات کی خدمت میں اس سورت کا ترجمہ، اس کی تشریح اور تفسیر پیش کرنے کی کوشش کی تھی، آج اس کا تتمہ بیان کرنا ہے، یہ سورت قرآن کریم کی مختصر سورتوں میں سے ہے اور اکثر و بیشتر مسلمانوں کو یاد بھی ہوتی ہے، نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔

سورۃ الکٰفرون کے فضائل

حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں، جس کی تھوڑی سی تفصیل میں نے پچھلے بیان میں عرض کی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ فجر کی دو سنتوں میں، پہلی رکعت میں، قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْن، اور دوسری رکعت میں، قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ، پڑھا کرتے تھے، کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے لیکن عام طور سے یہ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح مغرب کی دو سنتوں میں بھی آپ کا اکثر و بیشتر انہی دو سورتوں کے پڑھنے کا معمول تھا، اسی لئے فقہا کرام نے فرمایا ہے کہ فجر کی دو سنتوں میں اور مغرب کی دو سنتوں میں یہ دو سورتیں پڑھنا بہتر ہے، اگر چہ اتنا بھی لازم نہیں کرنا چاہیے کہ ہمیشہ یہی پڑھیں اور کوئی دوسری سورت نہ پڑھیں، لیکن بکثرت پڑھنا اچھی بات ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے بھی اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

کفار کی طرف سے صلح کی پیش کش

جیسا کہ میں نے پچھلی مرتبہ عرض کیا تھا محض یاد دھیانی کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں نے یہ پیش کش کی

تھی کہ اگر ہم ایک بات پر صلح کرلیں تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ میں جو تکلیفیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں، ان پر جو ظلم وستم ہو رہے ہیں، وہ ختم ہو جائیں گے اور وہ بات یہ ہے کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پوجا کیا کریں، بتوں کی پرستش اور عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے، یہ بات اگر آپ کو تسلیم ہو تو ہماری اور آپ کی دشمنی اور جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور ہم امن کے ساتھ رہنے لگیں گے، آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔

سورۂ کافرون کا ترجمہ

اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی تھی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ، **قُلْ**، اس کے معنی ہیں کہہ دو، یعنی ان کافروں سے کہہ دو جو صلح کی پیش کش کر رہے ہیں، **یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ**، اے کافرلوگو، **لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ**، میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو، جن بتوں کے آگے تم سر جھکاتے ہو، جن بتوں کو تم سجدے کرتے ہو، جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا، **وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ**، اور نہ تم اس خدا کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور آئندہ کے لئے فرمایا، **وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ**، اب بھی نہیں کرتا اور آئندہ بھی نہیں کروں گا، میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں ان بتوں کی جن کی تم نے عبادت کی ہے، **وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ**، نہ تم آئندہ عبادت کرنے والے ہو اس ذات کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ، لہٰذا، **لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ**، تمہارے

لئے تمہارا دین ہے میرے لئے میرا دین ہے، اس دین کے اوپر کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی۔ یہ ہے ترجمہ اس سورت کریمہ کا اور اس کا پس منظر۔

کافر اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے

میں نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے جمعہ میں اس سورت سے حاصل ہونے والے سبق عرض کروں گا، پہلی بات جو اس سورت کریمہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت بندہ کا فریضہ ہے لیکن وہ اسی وقت معتبر ہے جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرایا جائے ورنہ یہ جو فرمایا گیا، **ولا انتم عابدون ما اعبد**، کہ تم اس اللہ کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں کرتا ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو وہ بھی مانتے تھے، مکہ مکرمہ کے کافر اور مشرک اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کرتے تھے، وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس سے ان کو انکار نہیں تھا اور قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ بات فرمائی گئی ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهَ. (العنکبوت : ٦١)

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنے والا مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی کو اس کائنات کا خالق اور مالک تصور کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے وجود سے ان کو انکار نہیں تھا، مانتے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت بھی کرتے تھے۔

اللہ کے نام سے شروع کرتے

وہ کافراور مشرک کوئی کام شروع کرتے، یا کوئی چیز لکھنی شروع کرتے تو ،بسمک اللھم ،کہا کرتے تھےاور لکھتے بھی تھے،اے اللہ ہم آپکے نام سے شروع کرتے ہیں۔حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سکھایا، اور وہ بیت اللہ کا طواف بھی کیا کرتے تھے، بیت اللہ کو اللہ کا گھر مانتے تھےتو بظاہر عبادت تو اللہ تعالیٰ کی کرتے تھےلیکن پھربھی قرآن کہہ رہاہے،ولا انتم عابدون ما اعبد ،جس اللہ کی میں عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے ،باوجودیکہ وہ اللہ کو مانتے تھے پھربھی کہا جارہا ہے کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے ،اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جن صفات کے ساتھ متصف ہیں تم اللہ تعالیٰ کواس طرح نہیں مانتے۔

وہ دیوتاؤں کوشریک سمجھتے تھے

چنانچہ وہ توحید کونہیں مانتے ،اللہ تبارک وتعالیٰ کوایک قرار دے کرنہیں مانتے، بلکہ انکا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سارے جہاں کو، ساری کائنات کو، سارے انسانوں کو،سارے جانوروں پیدا کردیا ہے،لیکن اسکے بعد اپنے سارے اختیارات یا کچھ اختیارات دیوتاؤں کوسونپ دیئے ہیں، کسی دیوتا کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ یہ لوگوں کورزق دیا کرے گا،کسی کو یہ سونپ دیا ہے کہ یہ لوگوں کی بیماریاں دورکرے گااور شفاءدے گا،کسی کوکوئی اوراختیارسونپ دیا ہے،لہٰذاان دیوتاؤں کی بھی عبادت کرنی چاہیے تاکہ وہ ہمیں رزق دیں، وہ ہمیں بیماری میں شفاء دیں،ہمیں اولاد دیں، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ باوجودیکہ تم زبان سے یہ کہتے ہوکہ ہم اللہ کو مانتے ہیں،لیکن

حقیقت میں اللہ کو نہیں مانتے، چونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کا تصور یہ پیدا کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات پیدا کرنے کے بعد بے اختیار ہو کر بیٹھ گیا ہے، سارے اختیارات ان دیوتاؤں کو سونپ رکھے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کو ماننا نہ ہوا، یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ ہوئی۔

کافر سمندری طوفان میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے

قرآن کریم میں بھی دوسری جگہ فرمایا کہ یہ کافر جب کبھی سمندر میں کشتی میں سفر کرتے ہیں، اور کشتی میں سفر کرتے ہوئے طوفان آجاتا ہے، زبردست موجیں اٹھنیں لگتی ہیں اور ایسا لگنے لگتا ہے کہ اب ڈوبے اور تب ڈوبے، اس وقت انکو اپنے دیوتا یاد نہیں آتے، اس وقت یہ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں، یا اللہ! ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے، ہماری کشتی کو کنارے تک لگا دے، لیکن جب اللہ تعالیٰ انکو نجات دیدیتا ہے اور اپنے گھر واپس آجاتے ہیں تو بتوں کی پرستش شروع کر دیتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ ہوئی، یہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ کی صحیح عبادت نہ ہوئی، کیونکہ تم نے عبادت میں اس کے ساتھ دوسرے دیوتاؤں کو شریک ٹھرا لیا ہے۔

شرک کے عقیدہ کے قرب سے بچیں

اس بات سے ہمیں اور آپ کو یہ سبق مل رہا ہے کہ خود ہمارے مسلمانوں میں اس قسم کے عقیدے اور اس قسم کے اعمال پیدا ہو گئے ہیں کہ جو ان کافروں کے عقیدوں کے قریب قریب پہنچ جاتے ہیں، جیسے بعض لوگ، انسانوں میں سے کسی بھی انسان کو، کسی پیغمبر کو، کسی ولی اللہ کو، کسی بڑے بزرگ کو، کہتے ہیں کہ یہ مشکل کشا ہے، یہ حاجت روا ہے، یہ مختار کل ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

ان کو یہ اختیار سونپ دیا ہے کہ یہ ہماری مشکلات دور کریں، یہ ہماری حاجت روائی کریں، یہ ہماری حاجتیں پوری کریں، یاد رکھئے! چاہے کوئی پیغمبر ہو، یا کوئی کتنا ہی بڑا بزرگ ہو، یا کوئی کتنا ہی بڑا ولی اللہ ہو، وہ ہماری سر آنکھوں پر، اس کی عظمت اور اس کی حرمت کا دل میں ہونا ہمارا دینی فریضہ ہے، لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا دینا، اللہ تعالیٰ کی صفات ان کی طرف منسوب کر دینا، ان سے مرادیں مانگنا اور ان سے کہنا کہ تو ہمارا یہ کام کرادے، یہ عقیدہ شرک کے قریب پہنچ رہا ہے۔

دیہاتی علاقوں میں جاہلانہ طریقہ

خاص طور سے ہمارے دیہاتی علاقوں میں جا کر دیکھو، وہاں ان پڑھ لوگوں کے ہاں یہ عالم ہے کہ کسی کو اگر بیماری ہے تو شفاء مانگنے کے لئے مزاروں پر جارہا ہے، فلاں بزرگ کے مزار پر جا کر مانگوں گا کہ اے داتا! مجھے بیماری سے شفاء دے دے، اے داتا! مجھے اولاد دیدے، قبروں پر جا کر قبروں سے مانگ رہے ہیں، اور قبروں میں جو بزرگ موجود ہیں ان کی عظمت، ان کی حرمت اور ان کا احترام ہماری سر آنکھوں پر، لیکن وہ صفات ان کی طرف منسوب کر دینا جو خدا کی صفات ہیں، یہ انسان کو شرک تک پہنچا دیتا ہے جس کے بارے میں قرآن نے کہا کہ اگر تم ایسا کرتے ہو تو پھر تم اللہ کی عبادت نہیں کر رہے، **ولا انتم عابدون ما اعبد**، پھر میری عبادت نہیں کر رہے، وہ تو تم نے ان کی عبادت شروع کر دی۔

مزار پر جا کر کیا کرنا چاہیے

ہمارے ہاں بہت سارے صوفیائے کرام گزرے ہیں، جیسے حضرت علی ہجویری

رحمۃ اللہ علیہ کا لاہور میں مزار ہے (جو داتا دربار کے نام سے مشہور ہے) حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے بزرگ تھے، انکی عظمت اور انکی حرمت ہر انسان کا فریضہ ہے تو ہم بھی کبھی انکے مزار پر حاضر ہوجاتے ہیں، مزار پر جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہاں جا کر ان کو سلام عرض کریں اور حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی کی قبر پر جا کر سلام عرض کیا جاتا ہے تو وہ اسکا جواب دیتے ہیں، تو کسی بزرگ کو سلام کرنا اچھی بات ہے، اسیطرح وہاں جا کر ان کو ایصال ثواب کریں، یہ بھی اچھی بات ہے، کوئی شخص وہاں جا کر انکے درجات کی بلندی کی اور انکی مغفرت کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن اس صاحب مزار کو دینے والا سمجھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ مجھے اولاد دے گا، یہ مجھے رزق دے گا، یہ مجھے ملازمت دلوائے گا، یہ مجھے روزی دے گا العیاذ باللہ العلی العظیم یہی تو وہ چیز ہے جس کو مٹانے کیلئے حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تھے۔

کسی بزرگ کو داتا کہنا جائز نہیں

اب دیکھئے! ہمارے یہاں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علہ کے مزار کو ''داتا دربار'' کہا جاتا ہے، داتا کے کیا معنی، داتا کے معنی دینے والا، تو جب کسی بڑے سے بڑے بزرگ کو داتا کہا جائے گا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ نہیں، یہ دینے والا ہے، یہ بہت خطرناک بات ہے، اور یہ ''داتا دربار'' ہماری زبانوں پر پھیلا ہوا ہے، یہ دربار اس شخص کا ہے جو ہمیں دینے والا ہے، ہماری بگڑی کو بنانے والا ہے، ہماری تکلیفوں کو دور کرنے والا ہے، ہماری مشکلات کو دور کرنے

والا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پیغمبر ہو، یا نبی ہو، یا ولی ہو، یا صوفی ہو یا بزرگ ہو، کسی کے بارے میں بھی یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ دینے والا ہے، یہ داتا ہے، یہ عقیدہ اس کو شرک تک پہنچا دیتا ہے جس میں کافر لوگ مبتلا تھے جسکے بارے میں فرمایا، **لا اعبد ما تعبدون ،ولا انتم عابدون ما اعبد** ، میں نہیں کرسکتا یہ کام جو تم کررہے ہو۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

ایک مرتبہ میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر تھا، سلام کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دیکھا کہ لوگوں کی قطار لگی ہوئی ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ لوگ قبروں پر سجدے کررہے ہیں، میں نے ایک صاحب سے کہا کہ آپ سجدے کررہے ہو؟ یہ پیشانی تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے جھکنے والی نہیں ہے، اسی کے آگے جھکنے کے لائق ہے، آپ اس کیلئے یہاں سجدے کررہے ہو، جواب میں کہتے ہیں کہ جی! ہمیں تو جو کچھ ملا، یہیں سے ملا - استغفر اللہ- یہ اعتقاد رکھنا انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائے آمین، لوگ جہالت کی وجہ سے اس طرح کے عقیدے رکھتے ہیں، بے شک وہ بزرگ ہیں، بزرگوں کی تعظیم اپنی جگہ لیکن ان کو جا کر خدا سے ملا دینا اور خدا کے برابر قرار دے دینا اور خدا کی صفات ان کی طرف منسوب کر دینا، یہی تو وہ چیز ہے جسے مٹانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور پورا قرآن جس سے بھرا ہوا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوگا

وہ کافر لوگ خدا کے منکر نہیں تھے، وہ کہتے تھے کہ خدا نے ان دیوتاؤں کو

اختیار دے دیا ہے، تو وہی بات آج اس طرح کہی جارہی ہے اور اس بارے میں لوگوں نے ایک ہنگامہ برپا کیا ہوا ہے، لوگوں کو کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں کے مزار پر جا کر مانگوں گا، یاد رکھئے! یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دین دیا ہے، اس میں ہر چیز کی حدود مقرر ہیں، اب بتایئے اس کائنات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ اور افضل کوئی ذات ہوسکتی ہے، کوئی نہیں ہوسکتا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دیکھو! میں دنیا سے جا رہا ہوں، تم کہیں ایسا نہ کرنا کہ میری تعریف میں اتنے مبالغے کرو، اتنا مجھے آگے بڑھاؤ جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھا کر اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا تھا، خدا کے ساتھ شریک کر دیا تھا، تم ایسا نہ کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کوئی دوسرا پہچان ہی نہیں سکتا، لیکن اس عظمتِ مقام کے باوجود آپ نے دنیا کو بتایا کہ خدا کیا ہوتا ہے اور مخلوق کیا ہوتی ہے اور یہ فرمایا کہ مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ میرے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ ہونے والا ہے، اور تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، لہٰذا تم مجھے بڑھا کر خدا کے ساتھ نہ ملا دینا۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں یہ بات فرما رہے ہیں تو کوئی کتنا ہی بڑے سے بڑا بزرگ ہو جائے، وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہوسکتا، لہٰذا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ حاجت روا ہیں، مشکل کشا ہیں، مختار مطلق ہیں، مختار کل ہیں- العیاذ باللہ- یہ باتیں انسان کو اسی راستے پر لے جاتی ہیں جس راستے پر

مشرکین مکہ چلے ہوئے تھے۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے، آمین۔اس سورت سے سب سے پہلا سبق یہ ملا کہ مسلمانوں کو ایسے عقائد سے بچنا چاہیے اور شرک کے شائبہ سے بھی بچنا چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو اس عقیدے سے محفوظ رکھے۔آمین

صلح کے لئے سب سے اہم شرط

ہمیں اس سورت کریمہ سے دوسرا سبق یہ مل رہا ہے کہ صلح اچھی چیز ہے، اور مصالحت اچھی چیز ہے، لیکن یہ اسی وقت اچھی چیز ہے جبکہ اپنے اصولوں کو قربان نہ کرنا پڑے، اگر کوئی صلح اور مصالحت ان شرائط پر ہوتی ہے جس کے ذریعے اپنے دین کا نقصان ہو رہا ہے، یا دین کی قربانی دینی پڑ رہی ہے، یا شریعت کے کسی حکم کی قربانی دینی پڑ رہی ہے، ایسی صلح کسی مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلح کے قائل تھے آپ نے مدینہ منورہ کے بہت سے یہودیوں سے صلح کی، اور حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ سے صلح کی، قرآن کریم نے خود فرمایا:

وَاِنْ جَنَحُوْ لِسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ . (الانفال : ٦١)

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے، اور اللہ پر بھروسہ رکھئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ اگر یہ کافر لوگ صلح پر آمادہ ہوں تو تم بھی صلح پر آمادہ ہو جاؤ، لیکن ان شرائط کے اوپر صلح کرنا جس کے نتیجے میں انسان کا دین مجروح ہو رہا ہو، وہ کسی مسلمان کے

لئے قابل برداشت اور قابل قبول نہیں، چنانچہ یہاں یہی پیش کش کی گئی تھی کہ ایک سال تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرلو، ایک سال ہم تمہارے معبودوں کی عبادت کریں گے، تو اس صلح کو رد کر دیا گیا، **لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ**، اگر تم یہ کہتے ہو تو پھر تمہارا دین تمہارا اور ہمارا دین ہمارا، ہم صلح کرنے کو تیار نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں

ہماری اپنی روزمرہ کی زندگی میں بہت سے تنازعات کھڑے ہوتے ہیں، بعض اوقات ان تنازعات کے اندر صلح کی نوبت آتی ہے تو کوئی ایسی صلح جس کے نتیجے میں دین کا کوئی حکم مجروح ہو رہا ہو، کسی مسلمان کیلئے قابل قبول اور جائز نہیں، ہاں جس صلح سے دین کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو، اور دین مجروح نہ ہوتا ہو تو پھر بے شک وہ صلح قابل قبول ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف حکم ہے، **لاطاعة مخلوق في معصية الخالق** ، اللہ کی نافرمانی کر کے کسی بھی انسان کی اطاعت انسان کے ذمے لازم نہیں، باپ ہو، ماں ہو، شوہر ہو، بیوی ہو، بچے ہوں، وہ اگر کوئی کام کرنے کو کہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے تو اس کو نہیں ماننا چاہیے، حالانکہ ماں باپ کی اطاعت، ماں باپ کا حکم ماننا اتنا اہم فریضہ ہے اور اس کے اوپر قرآن نے بہت زور دیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اگر کوئی گناہ کے کام کو کہیں تو قرآن کریم کہتا ہے کہ:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا. (لقمن : ۱۵)

اگر وہ تمہارے اوپر زور ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھراؤ تو کبھی ان

کی اطاعت نہ کرنا، ہاں دنیا کے اندر ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ان سے خوش اسلوبی سے پیش آنا، لیکن ان کی وہ بات نہیں ماننا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حدود مقرر فرمائی ہے اور آدمی اپنا کوئی کام اس حدود کے دائرے میں رہ کر کرتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن حزافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت عبداللہ ابن حزافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں انکو ایک جہاد پر بھیجا گیا تھا، وہاں اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہوگئی، اور ان کا مد مقابل دشمن کافر بادشاہ تھا، اس نے مسلمانوں کو گرفتار کرلیا، اور اسکے ہاتھوں مسلمانوں کی اچھی خاصی بڑی تعداد گرفتار ہوگئی، حضرت عبداللہ ابن حزافہ مسلمانوں کے سردار تھے، بادشاہ نے ان کو بلا کر کہا کہ تم میرے سامنے اپنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کردو، اور اپنے اسلام کے عقیدے سے دستبرداری کا اعلان کردو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا، حضرت عبداللہ ابن حزافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم مر کر بھی زندہ ہو جاؤ تو میں یہ کام نہیں کرسکتا، بادشاہ نے کہا کہ دیکھو! اگر نہیں مانو گے تو میں دردناک طریقے سے قتل کرونگا، حضرت عبداللہ ابن حزافہ نے کہا کہ جس طرح چاہو قتل کردو، میرے ٹکڑے کردو، لیکن میں اس کلمہ توحید سے دستبردار ہونے والا نہیں ہوں، اس نے کہا کہ دیکھو! تمہیں موت ایسی موت دونگا کہ لوگوں کیلئے نشان عبرت ہوگی، انہوں نے کیا کہا کہ تم جیسی موت دینا چاہو، مجھے دیدو، اس بادشاہ نے یہ کیا کہ ایک بڑی کڑہائی منگوائی اس میں تیل ڈالا،

اسکو آگ میں رکھا اور اس کڑھائی میں تیل بھرا اور تیل کو کھولا دیا، اس تیل میں ابال آنے لگا تو اس نے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کو پکڑ کر اس کڑھائی کے اندر کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا، جس وقت وہ وہاں پر گرے تو روایات میں آتا ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد انکے جسم کے تمام اعضاء الگ ہو گئے اور بالکل جل کر راکھ ہو گئے۔

سو جانیں بھی قربان کر دیتا

حضرت عبداللہ ابن حزافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، بادشاہ نے کہا کہ دیکھو! اگر تم میری بات نہیں مانوں گے تو یہی عمل تمہارے ساتھ کیا جائے گا، حضرت عبداللہ ابن حزافہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، تو اس نے کہا کہ دیکھو! اب نرم پڑے، رونے لگے، انہوں نے کہا کہ میں اسلئے نہیں رو رہا کہ میں ڈر گیا، میں اسلئے رو رہا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربان کرنے کیلئے صرف ایک جان ہے، کاش! کہ میرے پاس سو جانیں ہوتیں تو میں ہر جان اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور قربان کرتا، اس لئے رو رہا ہوں، جب بادشاہ نے ان کا یہ عزم اور استقلال دیکھا تو کچھ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیا قوم ہے جو اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی ہے، اور پھر بھی یہ کہتی ہے کہ ایک جان نہیں سو جانیں اس طرح قربان کرنے کو تیار ہوں۔

کافر بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ دے دیا

تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ ابن حزافہ کے عزم و استقلال کی برکت سے اس کافر کے دل میں نرمی ڈالی، اس نے کہا کہ دیکھو! اچھا تم اپنے دین سے تو ہٹنے والے نہیں ہو، لیکن ایک کام یہ کر لو کہ آگے بڑھ کر میری پیشانی کو بوسہ دے دو،

میری پیشانی کو اگر بوسہ دے دو گے تو تمہیں چھوڑ دوں گا، تو حضرت ابن حزافہ نے فرمایا کہ صرف مجھے چھوڑ و گے یا میرے تمام ساتھیوں کو چھوڑ و گے، اگر تم میرے تمام ساتھیوں کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو تو میں تمہاری پیشانی پر بوسہ دے دوں گا، اس نے کہا کہ میں تمہارے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا، حضرت عبداللہ ابن حزافہ آگے بڑھے، اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور سارے ساتھیوں کو چھڑا کر لے آئے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی کہ وہ مدینہ منورہ آرہے ہیں تو حضرت فاروق اعظم اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے استقبال کے لئے مدینہ منورہ سے باہر نکلے، حضرت عبداللہ ابن حزافہ کو گلے سے لگالیا، ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں تمہاری پیشانی پر بوسہ دیتا ہوں کہ تم نے ایک بوسہ کے ذریعے تمام مسلمانوں کو چھڑا لیا۔

جان بچانے کے لئے گناہ کرنا جائز ہے

کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ تو کافر ہے، تیری پیشانی پر کیوں بوسہ دوں؟ لیکن یہ حدود اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے حدود مقرر کی ہیں کہ اگر کوئی جان سے مار رہا ہو، اور کلمہ کفر کہنے سے جان بچ سکتی ہو تو کلمہ کفر زبان سے نکالنے کی اجازت ہے بشرطیکہ کہ دل میں ایمان ہو اور اس نے زبان سے کفر نکال دیا تو یہ جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ جان دیدے، اور کفر کا کلمہ زبان سے نہ نکالے، تو وہاں پر حضرت عبداللہ ابن حزافہ رضی اللہ عنہ جان دینے کو تیار تھے، کفر کا کلمہ زبان سے نکالنے کو تیار نہیں تھے، لیکن اگر کوئی دوسرا شخص کسی گناہ پر مجبور کرے کہ یہ گناہ کرلو، ورنہ ماردوں

گا تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس صورت میں جان بچانے کیلئے گناہ کرنا واجب ہے، اگر تم نے اس وقت اس کام کا ارتکاب نہ کیا تو گناہ گار ہوگے، اس لئے کہ یہ جان تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھی وہ تم نے اس طرح قربان کردی، یہ جائز نہیں، تو حضرت عبداللہ ابن حزافہ نے دیکھا کہ کافر بادشاہ کی پیشانی کو بوسہ دینا زیادہ سے زیادہ گناہ ہے، کیونکہ کافر بادشاہ کی تعظیم گناہ ہے، اسکی پیشانی کو بوسہ دینا تعظیم کے لحاظ سے گناہ ہے لیکن اپنی جان بچانے کیلئے اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لئے یہ گناہ قابل گوارا اور قابل قبول ہے، چنانچہ انہوں نے قبول فرمالیا۔

یہ ہے دین کی سمجھ

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی حدود، کہ کہاں آدمی ڈٹ جائے اور کہاں آدمی جھک جائے، یہ حدود اللہ تبارک وتعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں، اس کا نام دین کی سمجھ ہے، اس کا نام تفقہ فی الدین ہے، اسی کی ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے، بہرحال! یہ سورت یہ سبق دے رہی ہے کہ ایسی مصالحت جس سے دین مجروح ہورہا ہو ہمارے لئے جائز نہیں، ہاں شریعت نے جہاں جہاں گنجائش دی ہے، تو تم ان کو صلح کے لئے بے شک اختیار کرسکتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

حضور کی عظمت شان

تفسیر سورۂ کوثر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	04th-Dec-2009
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان

تفسیر سورۂ کوثر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ❁ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ❁ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ❁ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ❁ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَر ❁ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولا نا العظیم و صدق رسولہ النَّبیُّ الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز: کچھ عرصے پہلے میں نے یہ سلسلہ شروع کیا

تھا کہ قرآن کریم کی وہ سورتیں جو بکثرت نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں، ان کی کچھ تفسیر اور تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی جائے، اسی سلسلے میں اس سے پہلے سورۂ فاتحہ، سورۂ فلق، سورۂ ناس، اور سورۂ الم ترکیف، سورۂ قریش، اور سورۂ ماعون کی تفسیر مختلف جمعوں میں بیان کرنے کی توفیق ہوئی، درمیان میں کچھ وقتی موضوعات آگئے تھے، جس کی وجہ سے سلسلہ موقوف ہوگیا تھا، اب اللہ تعالیٰ کے نام پر اس کو دوبارہ شروع کرتے ہیں، اور اس سلسلے میں آج سورۂ کوثر میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔

سورۂ کوثر کا پس منظر

یہ وہ سورت جو لفظوں کے اعتبار سے قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت ہے، اور تقریباً ہر مسلمان کو یہ سورت یاد ہوتی ہے، اس چھوٹی سی سورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا بھی بیان ہے، اور اس کے علاوہ دو عظیم پیغام بھی اس سورت میں دیے گئے ہیں، یہ سورت جس واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی، وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو ان سے آپ کی چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، اور ایک صاحبزادے جن کا نام آپ نے قاسم رکھا تھا، وہ پیدا ہوئے، آپ کی صاحبزادیاں تو الحمدللہ زندہ رہیں، اور انہوں نے طویل عمر پائی، لیکن آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم بچپن ہی میں انتقال کر گئے، جب ان کا انتقال ہوا تو مکہ مکرمہ کے کافر لوگوں نے بڑی خوشیاں منائیں، اور ان کے بعض سرداروں نے اور خاص طور پر

عاص بن وائل نے کسی مجلس میں کہا کہ دیکھو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے، اور جو اولاد پیدا ہوئی تھی، اس کا انتقال ہوگیا، لہٰذا آپ کی تو نسل ہی نہیں چلے گی، اور جب آپ کا بیٹا نہیں ہے تو آپ کے انتقال کے بعد۔ نعوذ باللہ۔ آپ کا کوئی نام لینے والا بھی نہیں ہوگا، اور آپ کے بعد آپ کی تحریک اور آپ کا دین خود بخود ختم ہو جائے گا، ایک محفل میں اس نے یہ بات کہی۔

کفار کا خوشیاں منانا

چونکہ اہل عرب کے یہاں یہ دستور تھا کہ اگر کسی ہاں بیٹا پیدا ہو تو بڑی خوش نصیبی سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس کی نسل اس سے چلے گی، اور اگر بیٹی پیدا ہو تو اس کی پیدائش کو برا سمجھتے تھے، عار سمجھتے تھے، اور باپ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا تھا، اور یہ کہتا تھا کہ میں کیا کروں، میرے یہاں بیٹی پیدا ہوگئی ہے، اسی وجہ سے بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں زندہ تھیں، اور بیٹا کوئی نہیں تھا، اور جو پیدا ہوا تو اس کا انتقال ہوگیا، تو اس پر کفار نے بڑی خوشیاں منائیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں بھی کیں، اور یہ پیشنگوئیاں بھی کہیں کہ آپ کے بعد آپ کا دین چلنے والا نہیں، اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جو تین آیتوں پر مشتمل ہے۔

سورۂ کوثر نازل ہونے پر آپ کی خوشی

ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، آپ کے اوپر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے نازل ہوتے وقت ہوتی ہے، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر ایک غشی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، وہی کیفیت آپ پر طاری ہوئی جب وہ کیفیت آپ کے اوپر سے دور ہوئی تو آپ نے تبسم فرمایا، اور مسکراتے ہوئے صحابہ کرام کو دیکھا، صحابہ کرام نے پوچھا کہ یارسول اللہ، آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ کس بات پر خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی ابھی میرے اوپر ایک سورت نازل ہوئی ہے، اور پھر آپ نے یہ سورۂ کوثر صحابہ کرام کو سنائی،

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۞ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۞ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ۞

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمائی، لہٰذا تم اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھتے رہو، اور قربانی کرتے رہو، یقین جانو، تمہارا دشمن ہی ابتر ہے، یعنی اس کی نسل نہیں چلے گی، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل نہیں چلے گی، حقیقت میں آپ کے دشمن کی نسل نہیں چلے گی۔

کوثر کے معنی اور حوض کوثر

آپ کو ہم نے کوثر عطا کی، کوثر کے لفظی معنی بہت بھلائی اور خیر کثیر کے آتے ہیں، اور خود اس حدیث میں جو میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے عرض کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے تبسم فرمایا، اور آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ؛ اتدرون ماالکوثر۔؟ کیا تم جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی اس کی تشریح فرمائی کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے، اور اسی نہر سے یہ

حوض نکلی ہے، جس کا نام حوض کوثر ہے، اور اس حوض کوثر پر پانی پینے کے اتنے برتن اور پیالے ہوں گے جتنے آسمان کے ستارے، اور اس کا پانی اتنا شفاف اور اتنا میٹھا ہوگا کہ دنیا میں کسی نے آج تک ایسا پانی نہیں پیا، اور وہ حوض اتنا خوبصورت ہوگا کہ دنیا نے آج تک اس کی کوئی نظیر نہیں دیکھی، اس حوض سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو پانی پلائیں گے۔

حوض کوثر سے امت کے لوگوں کو پانی پلانا

یہ نہر اصل میں تو جنت میں ہوگی، یعنی نہر کوثر، اور حوض کوثر میدان حشر میں ہوگا، جب تمام انسانوں کو حساب کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو اس وقت افراتفری کا اور نفسانفسی کا عالم ہوگا، گرمی شدید ہوگی، لوگ گرمی کی شدت سے پریشان ہوں گے، پسینے میں شرابور ہو رہے ہوں گے، اس حالت میں یہ حوض میدان حشر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا جائے گا، اور اس حوض میں جنت کی نہر کوثر سے دو پرنالے گر رہے ہوں گے، جو اس حوض کو بھر رہے ہونگے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لوگوں کو اسی سے پانی پلا رہے ہوں گے۔

آپ کی نسل قیامت تک چلے گی

انا اعطینک الکوثر. یقین جانو، ہم نے تو تمہیں کوثر عطا کی ہے، یعنی یہ بد بخت تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے بعد آپ کا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا، اور آپ کی نسل نہیں چلے گی، ارے آپ کی نسل تو اس طرح چلے گی، اور آپ کے نام

لیوا اس طرح دنیا میں رہیں گے کہ جب حوض کوثر پر آپ کھڑے ہوں گے تو آپ کے متبعین کے ریلے کے ریلے آپ کے پاس حوض کوثر پر آرہے ہوں گے، اور آپ ان کو حوض کوثر سے پانی پلا رہے ہوں گے۔

بعض لوگوں کو حوض کوثر سے دور کر دیا جائے گا

اسی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میری امت کے لوگ اس سخت گرمی کے عالم میں حوض کوثر پر آئیں گے، اور پانی پئیں گے، اور جو شخص ایک مرتبہ پانی پی لے گا، اس کے بعد اس کو شدید پیاس کی تکلیف کبھی نہیں ہوگی، لیکن کچھ لوگ حوض کوثر کے قریب آرہے ہوں گے تو فرشتے ان کو پیچھے ہٹا رہے ہوں گے، اور دھکیل رہے ہوں گے، حالانکہ وہ بھی میری امت کے لوگ ہوں گے، میں فرشتوں سے کہوں گا کہ یہ تو میری امت کے لوگ ہیں، پھر آپ ان کو کیوں حوض کوثر سے دور کر رہے ہیں؟ جواب میں وہ فرشتے کہیں گے، اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَـا اَحْـدَثُوْا بَعْدَكَ. آپ کو پتہ نہیں ہے کہ آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد انہوں نے کیا کیا کام کئے، انہوں نے آپ کے جانے کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا، اور نفاق میں مبتلا ہو گئے تھے، لہٰذا اگرچہ یہ آپ کی امت کے افراد تو ہیں، لیکن چونکہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے، کافر ہو گئے، یا منافق رہے، اس وجہ سے ان کو حوض کوثر پر آنے سے روکا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے، آمین

یہ دعا کرنی چاہیے

حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں کہ، آپ کو پتہ نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا راستہ اختیار کیا، درحقیقت یہ ڈرنے کا مقام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس انجام سے محفوظ رکھے، اور اللہ تعالیٰ اس کفر سے، اس شرک سے، اس نفاق سے، اور تمام ایسی باتوں سے محفوظ رکھے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر پر جانے سے رکاوٹ بنیں، آمین

میدان حشر میں آپ کا نام

بہر حال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ، ہم نے آپ کو یہ کوثر عطا کی ہے، اور یہ کوثر عطا کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا نام صرف قیامت تک ہی نہیں، بلکہ قیامت کے بعد میدان حشر میں بھی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کا نام نامی برقرار رہے گا، یہ کفار و مشرکین ہزار بار کہا کریں کہ آپ کے بعد آپ کا نام لیوا کوئی نہیں ہوگا، لیکن ہم بتا رہے ہیں کہ ہوگا۔

اپنے آپ کو عبادت میں مصروف کرلیں

اگے ارشاد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ، چونکہ ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر کے طور پر اپنے پروردگار کیلئے نماز پڑھیں، اور قربانی کیجئے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے کہ حوض کوثر بھی دیا، اور خیر کثیر بھی دیا، اس لئے کہ کوثر کے لفظی معنی ہین بہت بھلائیاں، یعنی

بے شمار بھلایاں ہم نے آپ کو عطا فرمائی ہیں، اور ایسی بھلایاں کہ قیام قیامت تک آنے والے آپ کی تعریف و توصیف اور آپ کے فضائل و کمالات کا تذکرہ کرتے ہی رہیں گے، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر کے طور پر نماز پڑھئے، اور قربانی کیجئے، مقصد یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف کر لیجئے، اور دشمنوں کی باتوں کی پرواہ مت کیجئے، دشمن جو زبان درازیاں کررہے ہیں، اس کی طرف دھیان مت دیجئے، آپ اپنے کام میں لگے رہیے۔

قربانی کا حکم کیوں دیا؟

چونکہ عبادتوں میں سب سے عظیم عبادت نماز تھی، اس لئے نماز کا ذکر فرمایا، اور قربانی کا ذکر اس لئے فرمایا کہ کفار و مشرکین بتوں کے نام پر قربانیاں کیا کرتے تھے، یعنی اپنے بتوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے نام پر قربانیاں کیا کرتے تھے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے پروردگار کے لئے قربانی کیجئے، تاکہ اس کے ذریعہ غلط طریقے کے بجائے صحیح طریقہ دنیا کے سامنے پیش کریں، اس لئے اس کو سنت قرار دیا گیا ہے کہ جب آدمی قربانی کرے تو یہ دعا پڑھے:

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(الانعام : ۱۶۲)

کہ میری نماز بھی اللہ کے لئے، میری قربانی بھی اللہ کے لئے، میرا جینا اور مرنا بھی اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

عبادت صرف اللہ کے لئے ہو

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ جو بھی عبادت انسان کرے، وہ اللہ کے لئے کرے، اپنے پروردگار کو راضی کرنے کے لئے کرے، اس میں دکھاوا نہ ہو، اس میں نام ونمود نہ ہو، اس میں ریا کاری نہ ہو، بلکہ وہ عبادت خالصۃً اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہو، تھوڑا سا عمل ہو، مگر اخلاص کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہو تو وہ تھوڑا سا عمل بھی کارآمد ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قیمت ہے، اور اگر کوئی عمل دیکھنے میں بڑا ہو، لیکن اللہ کے لئے نہ ہو، بلکہ دکھاوا مقصود ہو، نام ونمود مقصود ہو، شہرت حاصل کرنا مقصود ہو، یا دنیا کا کوئی مقصد پیش نظر ہو، تو اس بڑے عمل کی بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں، یہ بات نماز میں بھی ہے، اور یہی بات قربانی میں ہے۔

نام ونمود کی قربانی بے فائدہ ہے

قربانی میں اگر کوئی شخص اپنی استطاعت کے مطابق کوئی چھوٹا جانور قربان کرتا ہے، لیکن اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو راضی کرنا نہیں ہے تو وہ چھوٹا جانور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قیمت رکھتا ہے، اور اگر لاکھوں روپے کا جانور خرید لیا، اور پیش نظر یہ ہے کہ دنیا میری واہ واہ کرے کہ ماشاء اللہ، بہت شاندار جانور لے کر آیا ہے، اور بڑا قیمتی جانور قربان کیا ہے، اللہ بچائے، اگر نام ونمود مقصود ہو تو وہ لاکھوں روپے کی قربانی بھی اکارت اور بے کار ہے، اس کا کوئی

فائدہ نہیں۔

زبانی شکر کے ساتھ عملی شکر ادا کرو

اس آیت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب یہ فرمایا کہ، فَصَلِّ لِرَبِّکَ، چونکہ ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے، اس لئے نماز پڑھو، اس کے ذریعہ یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بڑی نعمت حاصل ہو، تو اس کا شکر یہ صرف زبان ہی سے نہیں، بلکہ عمل سے بھی ہونا چاہیے، کوئی وقت ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی نعمت انسان کی طرف متوجہ نہ ہو، ہم زندہ بیٹھے ہیں، یہی بڑی نعمت ہے، ہم صحت مند ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کوئی بیماری نہیں ہے، یہ نعمت ہے، آنکھیں کام کررہی ہیں، یہ نعمت ہے، کان کام کررہے ہیں، یہ نعمت ہے، ان سب چیزوں پر زبان سے بھی شکر ادا کرتے رہو، اور کہو کہ: **اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر**. اور جب کوئی بڑی نعمت حاصل ہو تو زبانی شکر کے علاوہ اس کا عملی شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھو۔

شکرانہ کے نفل ادا کرو

یہ جو کہا جاتا ہے کہ ''شکرانہ کے نفل'' پڑھے، مثلاً فلاں فائدہ حاصل ہوا، یا فلاں نعمت ملی پہلا کام آدمی کو یہ کرنا چاہیے کہ جس مالک نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس کے حضور حاضر ہو کر کم از کم دوگانہ نفل بطور شکرانہ کے ادا کرے کہ یا اللہ! آپ نے اپنے فضل سے یہ نعمت عطا فرمائی، لہٰذا میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں، اور شکر کے

طور پر نماز پڑھتا ہوں، بہر حال، شکرانہ کی نماز یہ بھی بڑی عبادت ہے، اور جس نعمت پر شکرانے کی نماز پڑھی جائے، امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت میں اور اضافہ فرمائیں گے:

لئن شکرتم لازیدنکم (ابراھیم : ۷)

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اور اضافہ کروں گا، لہٰذا شکر گزار بنو، اور شکر گزار بننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی بڑا فائدہ حاصل ہو، یا بڑی نعمت حاصل ہو، تو اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھو۔ بہر حال، دوسرا سبق اس آیت سے یہ ملا کہ ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اس کا سب سے عمدہ طریقہ نماز شکرانہ ادا کرنا ہے۔

آپ کے دشمن کی نسل نہیں چلے گی

پھر آخر میں فرمایا: اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ. آپ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیئے، اور یہ جو آپ کے دشمن یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ - معاذ اللہ - ابتر ہیں، ''ابتر'' اس کو کہتے ہیں، جس کی نسل آگے نہ چلے، آپ کی نسل تو انشاء اللہ ایسی چلے گی کہ دنیا میں کسی کی نسل اتنی نہیں چلی ہوگی، البتہ آپ کا دشمن جو یہ بات کہہ رہا ہے وہ ایسا مقطوع النسل ہے کہ اس کی نسل اس طرح ختم ہو جائے گی کہ اس کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہیں رہے گا۔

آپ کی نسبی نسل سادات اور سید ہیں

اب دیکھو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح

چلائی کہ آپ کی نسبی نسل بھی چلی، اگرچہ وہ بیٹیوں کے ذریعے چلی، مسلمانوں کے درمیان آج اس کی صورت حال یہ ہے کہ بیٹیوں کی اولاد میں آنے والے سارے سید اور سادات کہلاتے ہیں، سید کے معنی ہیں سردار، ساری مسلم دنیا ان کی عزت کرتی ہے، اور ان کو بڑا مقام دیتی ہے کہ یہ سید ہیں، یہ اشراف میں سے ہیں، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں، لہذا ان کا احترام کیا جاتا ہے، اور ان کی عزت کی جاتی ہے، ان کو سروں پر بٹھایا جاتا ہے، بہر حال، آپ کی نسبی نسل تو اس طرح چلی۔

آپ کا مقام بلند

اور روحانی نسل اس طرح چلی کہ دنیا میں کسی بھی پیغمبر، کسی بھی واعظ، کسی لیڈر، کسی رہنما کے اتنے متبعین نہیں ہوئے جتنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے، آج پورے روئے زمین پر کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جو-اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ- کی صداؤں سے نہ گونج رہا ہو، اور چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ روئے زمین پر کہیں نہ کہیں-اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ- کی صدا بلند نہ ہو رہی ہو، اس وقت بھی کہیں نہ کہیں اذان ہو رہی ہوگی، کہیں فجر کی اذان، کہیں ظہر کی اذان، کہیں عصر کی اذان، کہیں مغرب کی، کہیں عشاء کی، روئے زمین پر ہر وقت نماز کا ایک نیا وقت داخل ہوتا رہتا ہے، اور اذان ہوتی رہتی ہے، لہٰذا کوئی وقت ایسا نہیں ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور تقدیس کے ترانے نہ گائے جا رہے ہوں، اور جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

عظمت کا بیان نہ ہو رہا ہو، اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بلند مقام عطا فرمایا، جو اس کائنات میں کسی اور مخلوق کو میسر نہیں ہوا۔

دشمن کا خاتمہ اور آپ کے نام کی بقا

لہٰذا کہنے والے ھزار کہا کریں، اور آپ کی شان میں گستاخیاں کیا کریں۔ معاذ اللہ۔ اپنی زبانیں خراب کیا کریں، اپنی آخرت خراب کیا کریں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ مقام بخشا ہے کہ رہتی دنیا تک، بلکہ دنیا کے بعد بھی آپ کا تذکرہ، آپ کی تعریفیں، آپ کی عظمت وتقدیس کا بیان جاری رہے گا، اور ان دشمنوں کا کوئی نام لیوا بھی نہیں رہے گا، جس شخص نے یہ بات کہی تھی، اس کا نام، عاص بن وائل تھا، لیکن آج کوئی بھی نہیں جانتا کہ عاص بن وائل کون تھا، اور اگر کسی کا نام دنیا میں رہا بھی تو برائی کے ساتھ باقی رہا، اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کا نام آیا تو اس کی وجہ سے باقی رہ گیا، ورنہ اس کا جاننے والا، اور اچھائی سے اس کا نام لینے والا کوئی بھی موجود نہیں، جس وقت اس نے یہ بات کہی تھی، اس وقت عاص بن وائل کا طوطا بولتا تھا، اور اس کی سرداری کے ترانے گائے جاتے تھے، اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کی شہرت کا سورج کبھی غروب نہیں ہوگا، جب کہ اس زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبعین تھوڑے تھے، اور مجبور مقہور تھے، تنہائیوں میں تھے، چھپ چھپ کر نماز پڑھنے والے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ پیشنگوئی فرمائی تھی کہ یہ شخص تو تباہ ہو جائے گا، اور اس کا نام بھی باقی نہیں رہے گا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام قیامت تک باقی رہے

گا، الحمدللہ، یہ بات ہر شخص کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی نعمت کو قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور آپ کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

سورۂ ماعون اور اسکا پس منظر

تفسیر سورۂ ماعون (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	05th-Jun-2009
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الماعون اور اس کا پس منظر

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔اما بعد : فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ❁ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ❁ اَرَاَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ❁ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ❁ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ❁ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ❁ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ❁ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآؤُنَ ❁ وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ❁ آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاهدین و الشاکرین .

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! میں نے کچھ عرصے سے یہ سلسلہ شروع کیا

ہے کہ قرآن کریم کی وہ سورتیں جو ہم نمازوں میں پڑھتے ہیں یا ان کی تلاوت سنتے ہیں، ان کا ترجمہ اور ان کی کچھ تشریح آپ حضرات کے سامنے پیش کروں، اس سلسلے میں الحمدللہ پہلے سورۂ فاتحہ پھر معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اس کے بعد سورۂ فیل، اور اس کے بعد سورۂ قریش ان پانچ سورتوں کا بیان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوا، آج میں نے سورۂ ماعون آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اور اس کا ترجمہ اور اس کی تشریح کرنا پیش نظر ہے، اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ اصولی ہدایات بھی عطا فرمائی ہیں، کچھ احکام بھی بیان فرمائے ہیں۔

سورت کا ترجمہ

سورت کا ترجمہ یہ ہے: ارئیت الذی یکذب بالدین، بنی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے، اور آپ کے واسطے سے سارے مسلمانوں کو کہ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؛ یعنی اس بات کو جھٹلاتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی آئے گی اور اس میں انسانوں کو اس کے اچھے کاموں کا انعام دیا جائے گا، اور برے کاموں کی سزا دی جائے گی، اس بات کو وہ جھٹلاتا ہے، اس کو وہ مزاق سمجھتا ہے، اس کو وہ باطل سمجھتا ہے، اور کہتا ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا، بس یہی دنیا ہی ہے جو کچھ ہے، اسی میں جیتے ہیں، اور اسی میں مرجائیں گے، تو ترجمہ یہ ہے کہ: ارئیت الذی یکذب بالدین، کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزا اور سزا کو جھٹلاتا ہے: فذلک الذی یدع الیتیم، یہی وہ شخص ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے،

روایات میں آتا ہے کہ کسی کافر کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ اس کے گھر میں ایک یتیم بوسیدہ اور خستہ حالت میں آیا اور اس سے کچھ سوال کیا تو اس نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا، تو قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جو شخص جزا اور سزا کو جھٹلاتا ہے، یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے: ولا یحض علیٰ طعام المسکین، اور کسی غریب مسکین آدمی کو کھانا کھلانے کی دوسروں کو ترغیب بھی نہیں دیتا، خود کیا کھلاتا، خود اس کی کیا مدد کرتا، آخرت کو وہ نہیں مانتا۔

آخرت کا عقیدہ زندگی درست کرتا ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ آخرت کا عقیدہ ہی وہ چیز ہے جو انسان کی زندگی کو بھی درست کرتا ہے، دنیا کو بھی درست کرتا ہے، اگر آخرت کا عقیدہ نہ ہو پھر تو انسان جانور بن جائے، جو چاہے کرتا پھرے، کسی سوال جواب کی فکر ہی نہیں، کسی جواب دہی کا احساس ہی نہیں، اس لئے آخرت کے عقیدے کی طرف اس آیت میں خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے، اور قرآن کریم نے جگہ جگہ کہا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ ذرا یہ بتائیں کہ آخر یہ دنیا پیدا کیوں کی گئی:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (المؤمنون: ۱۱۵)

قرآن کہتا ہے کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں ویسے ہی بے فائدہ بغیر کسی مقصد کے پیدا کر دیا، اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے، اگر کوئی جزا ہی نہیں، کوئی سزا ہی نہیں تو اس دنیا میں بہت سے لوگ اچھے کام کر رہے ہیں، بہت سے برے کام کر رہے ہیں، کوئی ظلم کر رہا ہے، کوئی ظالم ہے، کوئی مظلوم ہے، کیا

سب برابر ہیں، گدھے گھوڑے سب برابر ہو گئے:

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُوْنَ (السجدة:۱۸)

بھلا بتاؤ جو شخص فاسق ہو، نافرمان ہو، اور لوگوں پر ظلم ڈھانے والا ہو، کیا ہم اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے جو ایک مومن، متقی اور پرہیزگار کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے؟ اگر آخرت نہ ہو تو پھر سب برابر ہو گئے، کافر اور مومن سب برابر ہو گئے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت سے اور اس کی رحمت سے یہ بات بعید ہے کہ وہ ظالم سے بھی ویسا ہی سلوک کرے جیسا کہ متقی اور پرہیزگار سے کرتا ہے۔

ظالم اور مظلوم برابر نہیں ہو سکتے

فرعون کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرے، نمرود کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تو دونوں برابر تو نہیں ہو سکتے، جب نہیں ہو سکتے تو یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب فرعون کو اس کی فرعونیت کی سزا ملے گی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا انعام دیا جائے گا، اس کے بغیر یہ کائنات بے کار ہے، اور اسی کو قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ (آل عمران:۱۹۰)

حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے اور وضو فرماتے تو آسمان کی طرف دیکھ کر سورۂ آل عمران کی آخری تین آیتیں پڑھا کرتے تھے، اس میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ دیکھو سارے

آسمان یہ زمین جو تمہیں نظر آرہی ہے: اور یہ دن اور رات جو آگے پیچھے آرہے ہیں کہ ابھی دن ہے اور پھر رات ہے، ان سب میں عقل رکھنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران: ۱۹۱)

جو کھڑے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں، بیٹھے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں، لیٹے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں، ؛ اور وہ آسمان اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں، کہ آخر کیوں بنایا گیا یہ آسمان، کیوں بنائی گئی یہ زمین، اور کیا کہتے ہیں غور کرنے کے بعد:

رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ال عمران: ۱۹۰)

کہ اے پروردگار! آپ نے یہ چیزیں ویسے ہی بے کار پیدا نہیں کردیں، بلکہ کسی مقصد کے تحت پیدا کی ہیں، اور وہ مقصد یہی ہے کہ اس میں ظالم کو ظلم کا بدلہ ملے اور انصاف کرنے والے کو، متقی پرہیزگار کو، نیک کام کرنے والے کو اس کا انعام ملے، اس لئے پیدا کیا گیا ہے، جب یہ ہے تو: سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ؛ پاک ہے آپ کی ذات تو اے اللہ! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیجئے، اس طرح کہ دنیا کے اندر نیک زندگی عطا فرمایئے۔ یہ ہے عقیدہ آخرت کا، یہ نہ ہو کہ ساری کائنات بے کار رہے۔

اتنا بڑا کارخانہ عالم کیوں بنایا؟

اب ذرا ان لوگوں سے پوچھو جو آخرت کو نہیں مانتے، مرنے کے بعد کی زندگی کو نہیں مانتے، ان سے پوچھو کہ جب مرنے کے بعد کی زندگی آنے والی نہیں

ہے، آخرت آنے والی نہیں ہے، تو آخر کیوں اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کارخانہ پیدا کر دیا؟ یہ آسمان کیوں بنائے؟ یہ زمین کیوں بنائی؟ یہ ہوائیں کیوں پیدا کیں؟ یہ چاند سورج کیوں پیدا کیے؟ یہ دریا اور پہاڑ کیوں پیدا کیے؟ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا کی ہے تاکہ انسان کی خدمت کرے، یہ زمین، یہ آسمان، یہ پہاڑ، یہ ہوائیں، یہ بادل، یہ بارشیں، یہ سمندر، یہ دریا یہ سب کچھ انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے، آخر کیوں؟ ساری کائنات انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے، سورج نکلتا ہے اس کو اپنی روشنی دیتا ہے، اس کے لئے کھیتوں کے اوپر اپنی کرنیں نچھاور کرتا ہے، اس کے لئے کھیتیاں لگتی ہیں، اس کے لئے گندم نکلتا ہے، اس کے لئے چاول نکلتے ہے، غذائی اجناس نکلتی ہے، چانداس کے اوپر اپنی کرنیں بکھیرتا ہے، بادل آتے ہیں بارشیں برساتے ہیں، اس سے زمین سیراب ہوتی ہے، یہ سارے کے سارے کام جو اللہ تعالیٰ نے کر رکھے ہیں، کس کے لئے؟ تمہارے لئے، قرآن کہتا ہے:

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرة: ٢٩)

اللہ وہ ہے جس نے اس کائنات کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں، تمہارے فائدے کے لئے پیدا کی ہیں، تو آخر کیوں؟ تم میں کون سا ایسا سرخاب کا پر ہے کہ سارے کائنات کی طاقتیں تمہاری خدمت میں لگائی ہوئی ہیں۔

سب جانور تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں

تم ایک گھوڑے کے اوپر اس کے منہ میں لگام ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہو،

اور اس کو جہاں چاہو لے کر پھرتے ہو، کبھی گھوڑا پلٹ کر یہ نہیں کہتا کہ آخر میں تیری خدمت کیوں کروں؟ میرے اندر طاقت بھی زیادہ ہے، اور طاقت ایسی کہ تم اپنی مشینوں کی طاقت اس کی بنیاد پر پوچھتے ہو، اس کی طاقت کی بنیاد پر ناپتے ہو، کہ یہ مشین اتنے ہزار گھوڑے کی طاقت رکھتی ہے، اتنے ہارس پاور ہے اس کا، تو اس میں طاقت اتنی زیادہ اور اتنی طاقت کے باوجود اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا، تمہارے لئے رام کر دیا، تمہارا ایک بچہ بھی اس کے منہ میں لگام ڈال کر جہاں چاہے لے جاتا ہے، کبھی پلٹ کر اس نے نہیں کہا کہ میں تمہارا بوجھ کیوں اٹھاؤں؟ تم اٹھاؤ میرا بوجھ، گدھا ہے، اونٹ ہے، جانور ہیں، ان سب کو تمہارے آگے مسخر کر رکھا ہے، تمہارے فائدے کے لئے کوئی پلٹ کر تم سے یہ نہیں کہتا کہ تمہاری طاقت زیادہ ہے، لہٰذا تم ہماری خدمت کرو، ساری کائنات تمہاری خدمت میں لگائی ہوئی ہے، یہ آخر کیوں؟ اگر آخرت ہونے والی نہیں ہے، اس مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے، تو خواہ مخواہ لگا دیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ساری طاقتوں کو تمہاری خدمت کے لئے؟ کیوں لگایا اور پھر ذرا یہ سوچو کہ اگر آخرت نہیں ہے تو دنیا میں ظلم کرنے والا ظلم کر کے چلا گیا، دوسرے کے حقوق پر ڈاکے ڈال کر چلا گیا، دوسروں کو اپنے ظلم کی چکی میں پیس کر چلا گیا، کوئی پوچھنے والا نہیں اس کو اور جس نے ظلم سہے مظلوم بنا، جس نے مظلوم بننے کے باوجود اپنی نیکی کا دامن نہیں چھوڑا، وہ بھی چلا گیا، اور اس کو کوئی انعام دینے والا نہیں:

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُوْنَ (السجدة:۱۸)

کیا مومن اور فاسق برابر ہو جائیں گے؟ کبھی برابر نہیں ہو سکتے دونوں، قرآن کہتا ہے، اور جب برابر نہیں ہو سکتے تو ماننا پڑے گا کہ ایک وقت آئے گا اور نیک آدمی کو اس کی نیکی کا صلہ دیا جائے گا، اس لئے یاد رکھو! جو لوگ آخرت کو جھٹلاتے ہیں وہ درحقیقت اس کائنات کے وجود کے مقصد تک سے جاہل ہیں، تو قرآن کریم کا سب سے بڑا پیغام یہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو ''نذیر'' کہا گیا

دیکھو! جتنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو ان کو قرآن کہتا ہے کہ نزیر، نزیر کے لفظی معنیٰ ہیں متنبہ کرنے والا، ڈرانے والا، آگاہ کرنے والا، یہ انبیاء کرام علیہم السلام اس لئے آتے ہیں تا کہ تم کو آگاہ کریں کہ تم اس دنیا کی زندگی میں مست ہو کر یہ مت بھول جانا کہ یہ سارا کارخانہ عارضی ہے، تمہارے امتحان کے لئے ہے، اور ایک وقت ایسا آئے گا جب اس امتحان کا نتیجہ نکلے گا، اور اس امتحان کے نتیجے میں کوئی کامیاب ہوگا اور کوئی ناکام ہوگا، یہ ڈرانے کیلئے، آگاہ کرنے کیلئے، اس بات سے خبردار کرنے کیلئے آتے ہیں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام۔ تو قرآن کریم نے سب سے پہلی حقیقت جو بیان فرمائی ہے اس سورت کریمہ میں وہ یہ کہ ساری خرابیوں کی جڑ جزا اور سزا کا انکار ہے جو یہ کافر لوگ کرتے ہیں۔

مسلمان آخرت سے غافل ہیں

الحمد للہ مسلمان انکار نہیں کرتے، مسلمان قائل ہیں کہ ہاں مرنے کے بعد ایک زندگی آئے گی، اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ جزا اور سزا منعقد کریں گے،

مانتے ہیں، زبان سے کہتے ہیں، ایمان بھی کسی نہ کسی درجہ میں الحمد للہ موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اگر یہ بھی نہ ہوتا تو کیا عالم ہوتا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایمان ہے، لیکن سوال یہ ہے جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ ٹھیک ہے بھئی ایمان تو ہے، مان بھی رکھا ہے، زبان سے کہتے بھی ہو، لیکن کبھی صبح سے شام تک کی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھو کہ کبھی خیال آتا ہے اس بات کا کہ ایک وقت آنے والا ہے جس میں ہر قول وفعل کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوں گا، مان تو لیا، ایمان تو لے آئے، زبان سے اقرار بھی کر لیا، لیکن کیا یہ حقیقت تمہارے دل میں پیوست ہے، کیا اس حقیقت کا تمہیں دھیان رہتا ہے، صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کتنی مرتبہ تم یہ یاد رکھتے ہو کہ یہ سب دنیا ہی دنیا نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد ایک اور عالم آنے والا ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس نقطۂ نظر سے ہم اور آپ اس کا جائزہ لے کر دیکھیں تو واقعی بڑی زبردست غفلت نظر آتی ہے، کہ ایمان تو لائے ہوئے ہیں، لیکن اس ایمان کا دھیان نہیں، اس کی فکر نہیں، اور صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں اس بات کو بھلائے بیٹھے ہیں، جب ہم بازار میں سودا کرنے جاتے ہیں اور اپنے لئے کوئی چیز خریدنے کا یا کوئی چیز بیچنے کا موقع آتا ہے تو کیا اس وقت بھی یاد رہتا ہے کہ جو سودا خرید رہا ہوں یا بیچ رہا ہوں کہ یہ حلال تھا یا حرام؟ جب دفتروں میں بیٹھے ہوئے ہو، اور لوگ تمہارے پاس کام کروانے کے لئے آتے ہیں، اور اس وقت رشوت کا مطالبہ کرتے ہو، زبان سے یا طرز عمل سے تو کیا اس وقت بھی یاد رہتا ہے کہ ایک وقت مروں گا اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے جوابدہ ہوں گا جو پیسے کمارہا ہوں، جو پیسے لے رہا ہوں، رشوت کے اس کے مجھے ایک ایک پیسے کا حساب دینا ہوگا کہ کہاں سے کمایا تھا؟

چند سوالات ضرور کیئے جائیں گے

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آخرت میں کوئی انسان قدم بھی نہیں بڑھا سکے گا جب تک کہ اس سے چند سوالات نہ کرلیے جائیں، ایک سوال یہ ہے کہ جو اتنی لمبی چوڑی عمر دی تھی؟ کہاں خرچ کی؟ اور اس مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کیسے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا؟ ایک ایک پیسے کا حساب دینا ہوگا، آپ سوچو گے کہ میری عمر تو ساٹھ ستر سال ہوئی اس میں کتنے پیسے کمائے؟ اس کا کون حساب رکھے؟ ارے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب کمپیوٹر میں جمع ہے، ایک ایک پیسے کا حساب جمع ہے، کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا؟ تو کیا جب دفتروں میں بیٹھتے ہیں اور لوگ کام کروانے کے لئے آتے ہیں، ان کے چکر کٹوائے جاتے ہیں، ان سے بہانے کیے جاتے ہیں، اور ان کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کچھ تمہاری جیب گرم کر کے تم سے کام کروائیں، اس وقت بھی یاد رہتا ہے کہ مرنا ہے اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے، جب تم اپنے ماتحتوں کے ساتھ برتاؤ کرتے ہو تو اس وقت بھی یاد رہتا ہے یا نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں جا کر جواب دینا ہے، جب اپنے گھر والوں کے ساتھ، بیوی کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اقتدار عطا کیا ہے، جب ان کے ساتھ معاملات کرتے ہو تو کیا اس وقت بھی خیال آتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، وہ بھرنا پڑے گا آخرت میں، یہ ہے ایک لمحہ فکریہ جس طرف قرآن سب سے پہلے توجہ دلا رہا ہے:

اَرَئَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ، ذرا اس کو دیکھو جو جھٹلاتا ہے، چلو تم جھٹلاتے نہیں

ہو، زبان سے نہیں جھٹلاتے، تو آیا عمل سے بھی اس بات کی عکاسی ہوتی ہے، کہ تم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی پر ایمان رکھتے ہو، تو قرآن نے اس بات کی طرف یہاں سب سے پہلے متوجہ کیا ہے۔

ہمارا سب سے بڑا مسئلہ

میرے بھائیو! عزیزو! اور دوستو! ہمارا سب سے بڑا مسئلہ درحقیقت یہی ہے کہ ہم اس دنیا کے اندر اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ آخرت کی فکر ہمارے دلوں سے محو ہوتی جارہی ہے، یہ خیال مشکل ہی سے آتا ہے، اپنے ہاتھوں سیاپنے عزیزوں کو دفن کیا، ان پر مٹی ڈالی، ان کا جنازہ پڑھا، سب کچھ دیکھا، یہ بھی دیکھا کہ بیٹھے بیٹھے انسان دنیا سے رخصت ہوگیا، یہ بھی دیکھا کہ بھلا چنگا ہے اور گھر سے باہر نکلا اور موت آگئی، یہ سب دیکھنے کے باوجود غفلت کا یہ عالم ہے کہ گویا اس کے ساتھ ہوگیا، ہمارا تو بہت وقت پڑا ہے، لہٰذا ہم ہر چیز میں غفلت کا شکار ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس غفلت سے ہمیں نکال دے، اور اس کا راستہ یہ ہے بھائی کہ ہر کام کو کرنے سے پہلے آدمی اس کا دھیان کرے کہ اس عمل کا مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا، یہ بات پیدا ہوگئی تو انشاءاللہ پوری زندگی سور جائے گی اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر یہ احساس پیدا فرمادے آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

بسم الله الرحمن الرحيم

سورۂ ماعون اور اسکا پس منظر

تفسیر سورۂ ماعون (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	12th-Jun-2009
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الماعون اور اس کا پس منظر

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔اما بعد : فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۞ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۞ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۞ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۞ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ ۞ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآؤُنَ ۞ وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۞ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین .

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ سورۃ الماعون ہے جس کی میں نے ابھی

آپ کے سامنے تلاوت کی، اوراس کی تشریح کا بیان پچھلے جمعہ شروع کیا تھا،سورت کا ترجمہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئی ارشادفرماتے ہیں، **ارئیت الذی یکذب بالدین** ،کیاتم نے اس شخص کودیکھا جو جزا اور سزا کو جھٹلاتا ہے، یعنی اس بات کو جھٹلاتا ہے کہ کسی وقت مرنے کے بعد دوسری زندگی آئے گی، جس میں انسان کواس کے نیک اعمال کا بدلہ اوراس کے برے اعمال کی سزادی جائے گی، اس بات کو جھٹلاتا ہے، **فذالک الذی یدع الیتیم** ، یہی وہ شخص ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے، **ولا یحض علی طعام المسکین** ،اورغریب اور مسکین لوگوں کوکھانا کھلانے پرکسی کوترغیب بھی نہیں دیتا، **فویل للمصلین ، الذین ھم عن صلا تھم ساھون** ،افسوس ہے ان نماز پڑھنے والوں پر جو اپنی نمازوں سے غفلت میں ہیں، **الذین ھم یراء ون** ، جو دکھاوا کرتے ہیں، **ویمنعون الماعون** ،اورمعمولی چیز بھی کسی کودینے سے انکارکرتے ہیں، یہ ہے اس سورت مبارکہ کا ترجمہ۔

چند برے اعمال کا ذکر

اور جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ اس سورت میں باری تعالیٰ نے کچھ برے اعمال کا ذکر فرمایا ہے، یتیموں کو دھکے دینا،غریبوں کی مدد نہ کرنا، نماز سے غافل ہوجانا، دکھاوا کرنا، کسی دوسرے کو معمولی چیز بھی دینے سے انکارکرنا، یہ ساری برائیاں ہیں لیکن ان برائیوں اور گناہوں کا ذکر کرنے سے پہلے ان کی جو بنیادی جڑ ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ درحقیقت یہ اس بات کا

انکار کرتے ہیں، اس بات کو جھٹلاتے ہیں کہ کسی وقت ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش ہوکر اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا، اس کی بدترین شکل تو وہ ہے جو کافروں کے اندر پائی جاتی ہے کہ وہ کھلم کھلا انکار کرتے ہیں، صاف صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہم اس کونہیں مانتے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہوگا، بس زندگی صرف یہی ہے اسی میں مرنا ہے اسی میں جینا ہے، آگے کوئی دوسری زندگی آنے والی نہیں ہے، صاف صاف لفظوں میں انکار کرتے ہیں، وہ ہیں کافر، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں اس طرف اشارہ بھی فرمایا ہے کہ جو برائیاں یا گناہ ہم آگے ذکر کررہے ہیں، وہ اصل میں ان کافروں کا کام ہے جو سزا اور جزا کے منکر ہیں، لیکن جن لوگوں کو جزا اور سزا پر ایمان ہے، جن کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد ایک دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہوگا، ان سے یہ کام صادر اور یہ کام ہونے کی توقع نہیں ہونی چاہیے کہ وہ ایسے کام کریں جو اس سورت میں بیان کئے گئے ہیں، جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ ایمان تو الحمد للہ ہے ہم لوگوں کا کہ ایک دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہوگا، لیکن اس ایمان کا دھیان نہیں رہتا، استحضار نہیں رہتا، اس کے نتیجے میں گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی کہ بھائی جب تم ایمان لائے ہو اس کے اوپر تو پھر اس کا دھیان بھی رکھو۔

یتیم کو دھکے دینا

فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ، یہی وہ شخص ہے حقیقت میں جو یتیموں کو دھکے

دیتا ہے، روایات میں آتا ہے کہ ایک کافر تھا، اس کے پاس کوئی یتیم اپنی مدد کی فرمائش کرنے کے لئے آیا تو بجائے اس کے کہ وہ اسے کچھ دیتا، یا اس کی کچھ مدد کرتا، اس کو دھکے دے کر نکال دیا، تو اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اصل میں یہ کام کسی مومن کا نہیں ہو سکتا، کسی ایمان والے کا نہیں ہو سکتا کہ وہ یتیموں کو اس طرح دھکے دے کر نکالے۔

یتیم کی پرورش کی فضیلت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یتیموں کے حقوق کی نگہبانی کے لئے بڑے احکام نازل فرمائے ہیں اور یتیموں کی سرپرستی کرنا، ان کی کفالت کرنا، ان کی نگہبانی کرنا بہت فضیلت والا عمل ہے، ایک اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی یتیم کی سرپرستی کرنے والا دونوں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے جس طرح یہ دونوں انگلیاں، یعنی جو شخص کسی یتیم کی سرپرستی کرتا ہو، اس کی کفالت کرتا ہو، اس کی ضروریات کا خیال رکھتا ہو، اس کا اتنا بڑا درجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا، اتنی زبردست فضیلت بیان فرمائی۔

یتیم کی حق تلفی کا عذاب

دوسری طرف یتیموں کا مال کھا جانے کے بارے میں، ان کی حق تلفی کرنے کے بارے میں قرآن کریم نے یہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡ کُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡ کُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا (النساء: ۱۰)

جولوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں، یعنی کسی یتیم کا مال کھا گئے تو درحقیقت وہ کھانے کی چیز نہیں رکھی ہے حقیقت میں وہ آگ اور انگارے اپنے جسم کے اندر پہنچا رہے ہیں کیونکہ آخرت میں اس کے ایک ایک لقمہ کا سوال ہوگا، لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم کہاں کھاتے ہیں یتیموں کا مال، ہم تو یتیموں کا مال نہیں کھاتے لیکن دیکھو ذرا اپنے معاشرے میں نظر دوڑا کر دیکھئے، چاہے یتیم کا مال کھانے کی براہ راست نیت نہ ہو، لیکن عملاً یتیموں کا مال کھانے کی بیماری ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے، کس طرح وہ میں بتاتا ہوں۔

میراث تقسیم نہ کرنا

ایک شخص کے گھر میں جو باپ تھا، اس کا انتقال ہوگیا تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کی میراث جلد از جلد تقسیم کرنی چاہیے، شریعت نے جو حصے مقرر کیے ہیں، ہر حصے دار کو اس کا حصہ پہنچانا چاہیے، یہ شریعت کا حکم ہے، قرآن کریم نے اس کے لئے تقریباً دو رکوع نازل فرمائے ہیں، اور یہی وہ حکم ہے جس پر اگر ٹھیک ٹھیک عمل ہوجائے تو ہمارے معاشرے سے بہت سی خرابیاں مٹ جائیں، لیکن ہمارے معاشرے میں رواج یہ ہوگیا ہے کہ اگر کسی کا انتقال ہو تو انتقال کے بعد تو میراث کا نام لینا بھی جرم ہے، لوگ یہ عیب لگاتے ہیں کہ ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا، اور اس کے مال کا بٹوارہ کرنا شروع کردیا، اور اس وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم بٹوارہ کیوں کریں، ساتھ رہ رہے ہیں، ساتھ کھائیں گے، ساتھ پئیں گے، کچھ دن تو یہ معاملہ چلتا ہے، لیکن جب کچھ زیادہ

عرصہ گزر جاتا ہے تو اب لڑائیاں، جھگڑے، تنازعات شروع ہو گئے، اور ایک دوسرے پر الزام کہ اس نے زیادہ لے لیا، اس نے زیادہ کھالیا، اس نے زیادہ خرچ کرلیا، اس نے کم خرچ کیا، وہ تو زیادہ کام کرتا تھا، اس کو پیسے کم ملے، جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور جھگڑے کھڑے ہونے کے بعد فساد پھیلتا ہے، خاندان میں لڑائیاں ہوتی ہیں اور تنازعات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جھگڑے کی جڑ کو ختم کرنے کے لئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ جوں ہی کسی کا انتقال ہو تو جلد از جلد اس کی میراث تقسیم کرو، اب چونکہ میراث تقسیم نہیں ہوتی تو ہوتا کیا ہے کہ مرنے والے کے وارثوں میں لڑکیاں بھی ہیں، یتیم اور نابالغ بچے بھی ہیں جو یتیم ہو گئے، شریعت نے حکم یہ دیا ہے کہ میراث تقسیم کر کے جو حصہ نابالغ کے حصے میں آرہا ہے وہ فوراً الگ کر کے رکھ دو، تاکہ تم اس کے حصے میں سے کچھ کھانے والے نہ بن جاؤ، اس کا حصہ الگ کر کے رکھو، اور اگر اس پر خرچ کرنا ہے تو اس کی صرف ضروریات کے لئے، اس کے کھانے پینے کے لئے، جو کچھ خرچ کرنا ہے اس میں سے اس کی ضروریات کی حد تک لے لو، اس کے اوپر خرچ کر دو، لیکن باقی مال اس کا محفوظ رکھو، تاکہ جب وہ بالغ ہو جائے، بڑا ہو جائے، اس میں سمجھ آجائے، روپے پیسے کو دھیان رکھنے کی تمیز پیدا ہو جائے، اس وقت وہ مال اس کے حوالے کر دو، قرآن کریم میں سورۂ نساء کے پہلے رکوع میں یہی احکام تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اس میں فرمایا ہے کہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ اور انگارے بھر رہے ہیں۔

بہنوں کو میراث میں حصہ نہ دینا ظلم ہے

ہمارے معاشرے میں اول تو بہنوں کو، لڑکیوں کو حصہ دینے کا رواج ہی نہیں، بھائی ساری جائداد پر اور سارے ترکے پر قابض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور بہنوں کو اور لڑکیوں کو جو شریعت نے حصے مقرر کیے ہیں وہ ان کو دینے کا تصور ہی نہیں، صرف لڑکے قابض ہیں ساری میراث کے اوپر، بچاری لڑکیاں جو ہیں وہ مانگتی نہیں، مانگنے کو عیب سمجھا جاتا ہے، مطالبہ کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا ہے اور بھائی جو ساری جائداد پر اور سارے ترکے پر قابض ہیں، وہ اللے تللے کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بچاری اپنے گھر کی ہو گئیں، وہ جانیں ان کا کام جانے، ہم ترکے میں سے ان کو کچھ دینے کے لئے تیار نہیں، نتیجہ یہ کہ ان کے مال میں ان کا حصہ شامل ہے اور وہ کھا رہے ہیں، تو یہ سب حرام کھا رہے ہیں کیونکہ دوسروں کا حق مار کے کھا رہے ہیں اور دوسری طرف جو بہت سے نابالغ ہوتے ہیں، لڑکیاں بھی نابالغ ہوتی ہیں اور لڑکے بھی نابالغ ہوتے ہیں، ان کا کوئی حصہ الگ نہیں کیا جاتا، اور کوئی حساب و کتاب نہیں کہ ہم جو خرچہ کر رہے ہیں اس میں نابالغ بچے کا حصہ ہم نے کتنا کھا لیا، ہمارے معاشرے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے۔

یہ یتیم کا مال کھانا ہے

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو قرآن نے حکم دیا ہے کہ یتیموں کا مال کھانا ایسا ہے جیسا کہ پیٹ میں انگارے بھرنا یہ صرف اس صورت میں ہے جب کسی یتیم سے چھین کر کھائیں، ارے اس بچارے یتیم کے پاس تو آیا ہی نہیں، جو اس کا حق تھا وہ

تم نے اس کو پہنچایا ہی نہیں اور بیٹھے ہوئے کھا رہے ہو اس کا مال تو یہ حرام ہے بالکل، اور اس کے نتیجے میں ساری قوم اور معاشرہ جس میں میراث تقسیم نہیں ہوتی، لوگ کھاتے پھرتے ہیں وہ سب اس وعید کے اندر داخل ہیں العیاذ باللہ۔ یہ حرام اور حلال کی فکر مٹ گئی ہے، اس کا احساس ختم ہو گیا ہے، اس واسطے حرام خوری کا عام رواج ہو گیا ہے، حرام کو حرام سمجھا ہی نہیں جاتا، شیر مادر کی طرح اس کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ جو بلائیں ہمارے اوپر مسلط ہیں چاروں طرف سے یہ کیوں ہیں؟ اسی وجہ سے کہ ہم نے حرام خوری کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، ہمارا پورا معاشرہ حرام خوری میں مبتلا ہے یہاں تک کہ نیک کہلانے والے نمازی لوگ مسجدوں میں آنے والے، علماء کی مجلسوں میں بیٹھنے والے وہ لوگ بھی جب ان معاملات کا قصہ آتا ہے تو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ آیا ہمارے مال میں حرام چیز شامل ہو رہی ہے یا نہیں، ذرا ہر شخص جائزہ لے کر دیکھے، اپنے خاندان کا بھی، اپنے ملنے جلنے والوں کا بھی یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں وہ ایک عام وبا ہے جو سارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے، میراث کے تقسیم نہ ہونے کے نتیجے میں سب یتیموں کا مال کھا رہے ہیں، دوسروں کا حق اڑا رہے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے وقت صحابہ کی حالت

حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں تو صحابہ کرام ڈر گئے، اتنے ڈر گئے کہ جس کے گھر میں کوئی یتیم بچہ تھا جیسے مثلاً

بڑے بھائی ہیں ان کے ساتھ چھوٹا بھائی ہے، اس کا حصہ فوراً الگ کر دیا، اس کی ملکیت کا حصہ الگ کر دیا اور اس میں سے اس کے کھانے پینے کا انتظام کیا، اب اتنے ڈرنے لگے کہ چھوٹا بچہ کے لئے کھانا الگ تیار ہو رہا ہے اور اس کا کھانا ملا کر اپنے کھانے کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں تو ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یتیم کے مال سے ہم کھا رہے ہوں اور قرآن کریم کی آیت کے ہم مصداق بن جائیں اور ہم حرام کھائیں آپ ذرا سوچئے! یتیم بچے کا کھانا الگ رکھا اپنے کھانے سے بالکل الگ، جو خالص اس کے پیسے سے بنایا گیا، پھر ساتھ بیٹھ کر ایک دستر خوان پر کھاتے ہوئے ڈر رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی لقمہ اس کے کھانے میں سے کھالیں تو ہمارا حشر وہی ہوگا جو قرآن نے کہا ہے کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔

دوسری آیت کا نزول

اتنی احتیاط شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری آیت نازل فرمائی، یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے، فطرت کا دین ہے، وہ جہاں پر ایک حق دار کو اس کا حق پہنچانا چاہتا ہے، وہاں ساتھ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ جانتے ہیں کہ اتنی مشقت اٹھانا کہ ایک یتیم کے لئے الگ کھانا تیار کیا جائے اور الگ بٹھا کر کھلانا، یہ قابل عمل نہیں ہوگا لوگوں کے لئے، تو قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَ
لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (البقرة: ۲۲۰)

یعنی تم اگر ان کے ساتھ مل جل کر کھا ہی لیا کرو تو آخر یہ تمہارے بھائی ہیں، اس واسطے اس پر تم سے کوئی گرفت نہیں ہوگی یعنی کھانا بالکل معقول طریقے پر تیار

کرو چاہے ایک ہی کھانا ہو، ان میں ان کے پیسے بھی شامل کرلو کھانے میں، اور کھانا ایک ہی ہو اور ساتھ بیٹھ کے کھالو تو تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں، لیکن وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ، لیکن خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون ہے جو یتیم کی خیر خواہی کررہا ہے اور کون ہے جو اس بہانے سے یتیم کا مال کھانا چاہ رہا ہے، تو اگر اس احتیاط کے ساتھ کہ یہ سمجھو کہ یہ یتیم کا حصہ ہے، ہم کھانا اکٹھا بناتے ہیں، جتنے پیسے ہم ڈالتے ہیں کھانے کے لئے اتنے ہی پیسے یتیم کے بھی ڈال لیے تم نے، احتیاط کے ساتھ اور پورے انتظام کے ساتھ تم نے اس کے پیسے ڈال لیے اور ایک کھانا تم نے بنالیا اور پھر سب نے بیٹھ کر کھالیا، اس پر ہم تمہارا مواخذہ نہیں کریں گے لیکن وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ، اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون ہے جو فساد پھیلانا چاہتا ہے یعنی اس بہانے سے یتیم کا مال کھانا چاہتا ہے اور کون ہے جو یتیم کی خیر خواہی کرنا چاہتا ہے، وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ، اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مصیبت میں ڈال دیتا، مشقت میں ڈال دیتا، یہ حکم دیتا کہ اس کا ایک چاول بھی ادھر سے ادھر نہ آئے، ایک لقمہ بھی ادھر سے ادھر نہ آئے، لیکن ہم تمہیں اتنی مشقت میں نہیں ڈالتے بس خیال رکھو کہ ان کا حصہ الگ ہو، ان کی ملکیت الگ ہو، اس کے اندر تم اپنے مفاد کی خاطر تصرف نہ کرو، یہ حکم دیا گیا لیکن بہر حال یہ حکم تو اپنی جگہ پر ہے کہ یتیم کے مال کا حساب الگ رکھنا ہے، اس کا حصہ الگ رکھنا ہے۔

نابالغ بچے کے حقوق

اللہ تعالیٰ نے نابالغ بچے کے بڑے حقوق رکھے ہیں، جو چیز کسی نابالغ بچہ کی

ملکیت میں آ گئی تو اس کے سر پرست کو اس میں کوئی تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی لئے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی بچہ کو کسی نے کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دے دی تو وہ اس بچہ کی ہوگئی، اب ماں باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اس بچہ سے لے کر کسی اور بچہ کو دے دیں، فرض کرو ایک آدمی کے دو بچے ہیں اور کسی نے ایک بچہ کو لا کر کوئی ہدیہ، یا تحفہ یا جوڑا دے دیا، اس بچہ کو ہدیہ دے دیا، اب ماں باپ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ جوڑا جو ایک بچہ کو دیا گیا تھا وہ دوسرے کو پہنائیں کیونکہ یہ اسکی ملکیت ہو گیا، اس میں کوئی تصرف اس کے سر پرست کے لئے کرنا جائز نہیں۔

بچے کو ہدیہ دینے کا طریقہ

اسی لئے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے علماء کرام نے کہ جب کسی جگہ بچہ کو کوئی ہدیہ دو تو بچہ کو مت دو، بچہ کے والدین کو دو کہ یہ تمہارا ہے تم چاہو جس بچہ کو استعمال کے لئے دے دو، تا کہ اس کو اختیار رہے کہ جس بچہ کو چاہیں استعمال کرادے اور یہ جو شادی بیاہ میں اور عقیقہ میں یا کسی بچے کی کسی تقریب میں ہدیے دیے جاتے ہیں تو اس کے بارے میں فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ در حقیقت یہ بچہ کو نہیں دیے جاتے بلکہ والدین کو دیے جاتے ہیں، اگر والد کے جاننے والے ہیں تو والد کو اور ماں کے جاننے والے ہیں تو ماں کو دیے جاتے ہیں تا کہ وہ اپنی مصلحت کے مطابق جس بچہ کے لئے استعمال کرنا چاہے کرلے لیکن اگر کسی بچہ کا نام لے کر دے دیا، یہ فلاں بچہ کا ہے تو اب اس کو دوسرے بچہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں، تو یہ شریعت نے احکام اس لئے دیے ہیں تا کہ ہر بات صاف ستھری اور حساب کتاب بالکل پاکیزہ

رہے اور جھگڑے کا امکان نہ ہو۔

میراث تقسیم نہ ہونے کا نتیجہ

پتہ نہیں کتنی مثالیں میری آنکھوں کے سامنے سے گزری ہیں کہ باپ کا انتقال ہوا، اب میراث کی تقسیم کی بات ہوئی کہ بھئی میراث تقسیم کرنی چاہیے تو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں، ارے صاحب! کیا میراث تقسیم کرنا ہے، سب بہن بھائی ہیں، ہمارے درمیان کوئی دوری نہیں ہے، ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، سب بہن بھائی بہت محبت سے، آرام سے اور پیار سے رہتے ہیں تو کوئی ضرورت نہیں ہے تقسیم کرنے کی اور ابھی تو باپ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تو ہم کیوں تقسیم کریں ماں باپ کی جائداد اور ماں باپ کا مال، شروع میں تو بہت محبت پیار ہو رہا ہے کہ بھئی اتنی محبت اور پیار ہے کہ میراث تقسیم کرنا یہ غیرت کے خلاف ہے، شرم آتی ہے اس بات کو کہتے ہوئے بھی کہ میراث کو تقسیم کیا جائے لیکن جب ایک دو سال گزرتے ہیں، شادیاں ہوتی ہیں، بچے ہو جاتے ہیں، تو اب یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ بھئی فلاں کی شادی میں تو اتنا خرچ ہوا اور میرے اوپر اتنا خرچ ہوا، اور فلاں کی تقریب میں اتنا خرچ کر دیا اور مجھے اتنا نہیں ملا، اگر فرض کرو تجارت ہے، کاروبار ہے، ایک کہتا ہے کہ میں نے کام زیادہ کیا تھا، مجھے زیادہ ملنا چاہیے تھا لیکن میں سب بہن بھائیوں کی شادیوں پر خرچ کرتا رہا، ان کی تعلیم پر خرچ کرتا رہا غرض یہ کہ اتنا بڑا ملغوبہ ہو گیا کہ اب اس کا حساب و کتاب کرنا مشکل ہے، کس نے زیادہ کام کیا، کس نے زیادہ خرچہ کیا، اس کا حساب و کتاب کرنا مشکل ہو گیا، اب جب

مشکل بن گئی، لڑائی جھگڑے کھڑے ہوگئے، بول چال بند ہوگئی، آپس میں ملنا جلنا بند ہوگیا، مقدمے بازی تک نوبت پہنچ گئی۔

پہلے مفتی صاحب کے پاس پھر عدالت میں

اس وقت مفتی صاحب کے پاس آگئے کہ مسئلہ حل کرو، مفتی صاحب کی گردن پر یہ مصیبت ڈال دی کہ بھئی یوں ہوا تھا، اب اسکے نتیجے میں مفتی صاحب بچارا کیا کرے، دس سال گزار دیے اس طرح کہ نہ کوئی حساب ہے، نہ کتاب ہے، نہ کوئی صاف بات کی جارہی ہے، نہ کچھ کیا جارہا ہے اور اب دس سال کے بعد مفتی صاحب کے پاس گئے کہ اب مسئلہ حل کرو ہمارا، تو مفتی صاحب کس طرح حل کریں اس مسئلے کو، یہ سب کیوں ہورہا ہے، اس لئے کہ جو شریعت کا حکم تھا اس کی پامالی ہورہی ہے، اس کی وجہ سے یتیموں کا مال ناحق کھایا جارہا ہے، لڑکیوں اور بہنوں کے حقوق سلب کئے جارہے ہیں، تو اس کے نتیجے میں یہ وبائیں کہ مقدمہ بازی چلی، مقدمہ ہوگیا، سالہا سال چل رہا ہے اور لڑائیاں جھگڑے ہیں اور فساد ہے تو میرے بھائیو! یہ جو ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں، قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھتے ہیں، اس کا کوئی حکم سنتے ہیں تو وہ محض سننے کے لئے نہیں ہوتا، وہ عمل کرنے کے لئے ہوتا ہے، تو دیکھنا چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کیا کیا تباہیاں بکھری ہوئی ہیں، تو ان سے گریز کرنے کی ضرورت ہے اور یہ مسئلہ پھیلانا چاہیے کہ بھائی! یتیموں کا مال ظلماً کھانے کی اتنی سخت وعید ہے لہٰذا اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے میراث تقسیم کرنے کا، اس کے مطابق

اس کی تقسیم کی جائے، اگر اب تک نہیں ہوئی تو اب کرلو قبل اس کہ وہ جھگڑے فساد میں تبدیل ہو جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

سورۂ ماعون اور اسکا پس منظر

تفسیر سورۂ ماعون (۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸، لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	10th-Jul-2009
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الماعون اور اس کا پس منظر

(۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔اما بعد : فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ٭ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ٭ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ٭ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ٭ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ ٭ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآؤْنَ ٭ وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ٭ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین .

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! یہ سورۂ ماعون ہے جو میں نے ابھی آپ

کے سامنے تلاوت کی ہے، اس کی تشریح کا سلسلہ گزشتہ بیان میں کیا گیا تھا، اسی کی آج تکمیل کرنی ہے، یہ سورت اکثر و بیشتر مسلمانوں کو یاد ہوتی ہے، نمازوں میں بھی پڑھی جاتی ہے، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کافروں کا حال بیان فرمایا ہے، سورت کا ترجمہ یہ ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں، اَرَئَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ، کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو جزا اور سزا کا انکار کرتا ہے؛ یعنی یہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں آئے گی اور انسانوں کو ان کے اعمال کا ثواب یا اس کی سزا نہیں دی جائے گی، فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ، یہی وہ شخص ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے، وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ، اور مسکین لوگوں کو کھانا کھلانے پر کسی کو ترغیب بھی نہیں دیتا۔

آخرت کو بھلانے کا نتیجہ

پچھلے بیان میں میں نے عرض کیا تھا کہ باری تعالیٰ نے اشارہ اس بات کی طرف فرمایا ہے کہ جب انسان اپنے مرنے کو بھول جاتا ہے، اور اس تصور سے غافل ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد مجھے اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہوگا اور اس وقت مجھے اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا تو وہ اس قسم کی حرکتیں کرتا ہے، یتیموں کو دھکا دیتا ہے اور روایات میں آتا ہے کہ یہ سورت جس وقت نازل ہوئی تھی اس سے پہلے ایک کافر نے ایسا ہی کیا تھا کہ ایک یتیم اس کے پاس مدد مانگنے کے لئے آیا تو اس نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا اور پچھلے بیان میں میں نے عرض کیا تھا کہ اس

میں یتیموں کے حقوق کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور یتیموں کا حق ادا نہ کرنا یہ ان کو دھکے دینے کے مترادف ہے، اور اس کی جو صورتیں ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں، ان کا میں نے پچھلی مرتبہ ذکر کیا تھا۔

منافقین کے برے کام

اب آگے دوسری آیات جو ہیں، ان میں منافقوں کا ذکر ہے، فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ، بڑا عذاب ان نماز پڑھنے والوں کے لئے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت میں ہیں، اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُ وْنَ ، یہ وہ لوگ ہیں جو دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں، محض دوسروں کو دکھانے کے لئے کہ ہم بھی نمازی ہیں، وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْن ، اور چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی دینے سے انکار کرتے ہیں، چھوٹی سی چیز بھی کوئی مانگے ان سے، ضرورت کی چیز تو وہ اس کو دینے سے انکار کرتے ہیں، یہ ہے ترجمہ۔ یہ منافقین کا ذکر ہو رہا ہے۔

منافق کی علامت

روایات میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور ظاہری طور پر انہوں نے کلمہ بھی پڑھ لیا تھا لیکن دل سے ایمان نہیں لائے تھے، اور در پردہ خفیہ طریقے سے شرک اور کفر میں مبتلا تھے، اور مشرکوں کی مدد بھی کرتے رہتے تھے، چونکہ زبان سے ظاہر کیا ہوا تھا کہ ہم مسلمان ہیں تو نمازیں پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے تو تھے، قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا:

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْ نَاللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا . (النساء: ۱۴۲)

یعنی جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی سستی کے عالم میں، جیسے کوئی زبردستی کھینچ کے لے آیا ہو، وہ لوگوں کو دکھانے کیلئے آجاتے تھے مسجد کے اندر، وہ دکھاوا کرتے ہیں، تو یہاں انہی منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ ہیں تو نماز پڑھنے والے، لیکن اپنی نماز کی طرف سے غفلت میں ہیں، اور وہ دکھاوا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو تنبیہ

ذکر تو اگرچہ منافقوں کا ہے لیکن بالواسطہ (indirectly) اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا حال بھی ایسا ہو جائے، کہ تم نماز تو پڑھ رہے ہو، لیکن نماز کی طرف سے غفلت میں ہو، نماز کی طرف سے غفلت برتتے ہو، اور دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہو، نماز سے غفلت کرنے کا کیا مطلب ہے؟ نماز سے غفلت کرنے کا مفہوم بڑا وسیع ہے، اس میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ آدمی کو نماز کا اہتمام نہ ہو، فکر نہ ہو، پڑھ لی پڑھ لی، نہیں پڑھی تو نہیں پڑھی، کسی دن پڑھ لی، کسی دن چھوڑ دی، کسی وقت پڑھ لی، کسی وقت چھوڑ دی، تو نماز کی پابندی نہ ہو، اہتمام نہ ہو، کسی نے کہہ دیا کہ نماز پڑھ لو تو کھڑے ہو گئے نماز پڑھنے کے لئے، اور اگر کوئی نہیں ہے کہنے والا تو وقت گزر گیا غفلت میں اور نماز نہیں پڑھی، یہ بھی غفلت کی بدترین قسم ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز کو فرمایا ہے کہ: **اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ**، یہ دین کا ستون ہے، جس شخص نے اس کو ڈھا دیا، گویا اس نے دین کو ڈھا دیا۔

نماز کسی حالت میں معاف نہیں

نماز کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عبادت بنایا ہے کہ کسی حال میں ایک مومن کے لئے اس کو چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے، اگر کوئی شخص سفر میں ہے، اللہ تعالیٰ نے اتنی آسانی کردی کہ چار کے بجائے دو رکعتیں پڑھ لو، بیمار ہیں، کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے بیٹھ کر پڑھ لو، بیٹھ کے نہیں پڑھ سکتے، تو لیٹ کے پڑھ لو، رکوع سجدہ نہیں کر سکتے تو اشارہ کرلو، لیکن بدترین بیماری کی حالت میں بھی ایک مومن کیلئے نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں، کسی بھی حالت میں ہو، آدمی کو پڑھنی ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف حالتوں میں آسانیاں پیدا کردیں ہیں، بیٹھ کے پڑھ لو، لیٹ کے پڑھ لو جبکہ تمہیں پوری طرح نماز پڑھنے کی استطاعت نہیں ہے بیماری کی وجہ سے، اسی حالت میں پڑھو، یہاں تک کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جس میں آدمی مسلسل ناپاک رہتا ہے، اور پاک ہونے کا امکان نہیں رہتا، فرمایا ناپاکی کی حالت میں پڑھ لو، لیکن چھوڑو نہیں، یہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے نماز، اور حقیقت میں دیکھو تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کو آدمی بوجھ سمجھے، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دربار میں حاضری کے دن میں پانچ مواقع عطا فرمائے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ اور ہمارا قرب حاصل کرلو، حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت انسان سجدہ کررہا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے بندہ، اس لئے یہ کوئی بوجھ کی بات نہیں ہے فرمایا:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ (البقرۃ:۴۵)

یہ بوجھ معلوم ہوتا ہے، مشکل معلوم ہوتا ہے، مگر جن کا دل اللہ سے لگا ہوا ہو

ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں، حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسا ہی بننے کی توفیق عطا فرمائے، تو ایک تو غفلت نماز کے بارے یہ ہے کہ آدمی گنڈے دار پڑھے کہ کبھی پڑھ لی، کبھی چھوڑ دی، العیاذ باللہ

جماعت کا اہتمام نہیں

دوسری غفلت یہ ہے نماز سے کہ جماعت کا اہتمام نہیں، مردوں کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا مسجد میں جا کر یہ سنت مؤکدہ ہے، واجب کے قریب ہے، حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا کبھی کبھی یہ ارادہ ہوتا ہے کہ میں کسی کو حکم دوں کہ تم مسجد میں نماز شروع کرو، کسی کو امام بنا کر نماز شروع کرواؤں اور پھر چکر لگا کر دیکھوں کہ کون کون ہے جو مسجد میں نہیں آئے ان کے گھروں کو جا کر آگ لگا دوں۔ یہ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ میرا دل چاہتا ہے کہ ایسا کروں کیونکہ مردوں کے لئے نماز وہی کامل ہے جو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے، گھر میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ ادائے قاصر ہے، ناقص ہے، ادھوری ہے، مسجد کے اندر آ کر نماز پڑھنا یہ مردوں کے لئے ضروری ہے، تو نماز سے غفلت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض وفات میں تھے، جس بیماری میں آپ کا وصال ہوا، اس بیماری میں چند نمازیں ایسی ہوئیں کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لا سکے، لیکن ایک دن بیماری میں تھوڑا سا افاقہ ہوا تو دو صحابہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ان کے سہارے سے مسجد میں تشریف

لائے، یہ بتانے کے لئے کہ مسجد کی جماعت ایسی چیز نہیں ہے کہ آدمی اس سے غافل ہوکر بیٹھ جائے، بیماری کے اندر جب بھی استطاعت پیدا ہو تو آدمی کو چاہیے مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑھے تو نماز سے غفلت کا ایک مطلب یہ ہے کہ آدمی بجائے جماعت سے نماز پڑھنے کے اکیلا پڑھے۔

جماعت کا ثواب

اور حدیث میں اتنی تاکید آئی ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی کہ بہت سی احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے اور فرمایا کہ مسجد کی نماز اور گھر میں اکیلا نماز پڑھنے میں پچیس گنا فرق ہے اور بعض روایتوں میں ستائیس گنا فرق کا ذکر آیا ہے یعنی اگر گھر میں پڑھو گے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ستائیس گنا کم ثواب ملے گا، اور مسجد میں جاکر پڑھو گے تو ستائیس گنا زیادہ ثواب ملے گا تو غفلت کا دوسرا مطلب یہ ہے۔

نماز کے آداب اور شرائط کا لحاظ نہ رکھنا

تیسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی نماز کو ان کے آداب وشرائط کے ساتھ ادا نہ کرے، نماز پڑھ تو رہا ہے لیکن ڈھیلا ڈھالا، نہ نماز کے ارکان اور اس کے افعال صحیح طریقے سے انجام پا رہے ہیں، نہ نماز کی طرف دھیان اور توجہ ہے، بس ایک سر سے بوجھ اتارنے کے لئے آکر کھڑا ہوگیا اور ایک مشین چل پڑی اور جلد سے جلد ختم کرکرا کے چلتا بنا، فرمایا یہ بھی منافقوں کا کام ہے، مسلمان کا کام یہ نہیں ہے۔

ہر چیز کے ضابطے ہوتے ہیں

ہر چیز کے کچھ قواعد ہوتے ہیں، ہر چیز کے کچھ ضابطے ہوتے ہیں، کھیل میں بھی آدمی کبھی کھیلتا ہے تو اسکے کچھ ضابطے ہوتے ہیں، اس قاعدے کے مطابق کھیلتا ہے، یہ تو اللہ جل جلالہ کی عبادت ہے، اس کے بھی کچھ قاعدے ہیں، اس کے بھی کچھ ضابطے ہیں، اس کو ویسے ہی غفلت کے عالم میں اور جیسا منہ اٹھایا اور ویسا پڑھنا شروع کر دیا، اس کو سیکھنے کی ضرورت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ نماز سکھائی، کہ اس طرح پڑھو اور صحابہ کرام نے اپنے شاگردوں کو پڑھ کر بتائی کہ اس طرح پڑھو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے ہیں، امیر المومنین بن گئے ہیں، آدھی سے دنیا پر حکومت ہے لیکن لوگوں کو بتاتے تھے کہ وضو کا کیا طریقہ ہوتا ہے، کس طرح صحیح طریقے سے وضو کیا جاتا ہے، کس طرح صحیح طریقے سے نماز پڑھی جاتی ہے، ایک ایک چیز کھول کھول کر بتائی کہ جب ہاتھ اٹھاؤ تو کہاں تک اٹھاؤ، ہاتھ باندھو تو کس طرح باندھو، تمہاری نگاہ نماز کے اندر کہاں ہونی چاہیے، رکوع کرو تو کس طرح کرو سجدہ کرو تو کس طرح کرو، یہ سب باتیں سیکھنے کی ہیں۔

سنت کا نور حاصل نہ ہوگا

اور جب آدمی ان سے غفلت برتتا ہے تو نماز پڑھ تو لی، لیکن اس میں جو سنت کا نور تھا وہ حاصل نہ ہوا، سنت کی جو برکات تھیں وہ نہ ملیں، سنت کا جو ثواب تھا وہ حاصل نہ ہوا، میرا بھی ایک چھوٹا سا رسالہ ہے نمازیں سنت کے مطابق پڑھیئے کے

نام سے، اس میں عام طور سے جو غلطیاں ہوتی ہیں نماز کی ادائیگی میں ان کو اس میں بیان کیا گیا ہے، صرف توجہ کی بات ہے، فکر کی بات ہے، ذرا سا دھیان کر لے آدمی تو نماز سنت کے مطابق ہو جائے، اس کو سنت کا نور حاصل ہو جائے، اور بے دھیانی اور غفلت میں پڑھتا چلا جائے تو کیا فائدہ ہوا، اب نماز میں ہاتھ کس طرح باندھیں، رکوع میں کہاں تک جائیں، سجدہ کس طرح کریں، قعدہ کس طرح ہو، قیام کس طرح ہو، یہ ساری باتیں سیکھنے کی ہیں، کتابیں چھپی ہوئی ہیں، ہر زبان میں چھپی ہوئی ہیں، علماء کرام نے نماز کے مسائل کو تفصیل سے بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی الحمدللہ۔

مفتی اعظم پاکستان اور نماز میں اشکال

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کے مسائل بعض اوقات اتنے باریک ہو جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ بچپن ہی سے پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ رہا، اور نماز کے مسائل ہی سیکھتے رہے، سکھاتے رہے، پڑھتے رہے، پڑھاتے رہے، فتوے دیتے رہے، یہ اس وقت فرما رہے تھے جب ساٹھ سال عمر ہو گئی تھی، کہ پچاس سال سے یہی کام ہو رہا ہے اس کے باوجود فرماتے تھے کہ کبھی کبھی نماز پڑھتے ہوئے کچھ ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا حکم کیا ہوگا، نماز ہوئی کہ نہیں ہوئی اور کس طرح ہوئی، اور اب مجھے کیا کرنا چاہیے تو نماز پڑھنے کے بعد پھر کتاب دیکھنا پڑھتی ہے پھر کتاب دیکھ کر مسئلہ پتہ چلتا ہے کہ بھئی نماز ہوئی کہ نہیں ہوئی فرمایا کہ ساٹھ سال

اس سارے کوچے میں سفر کے باوجود یہ عالم ہے کہ اب بھی کبھی کبھی ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، پھر فرماتے تھے کہ میں دیکھتا ہوں عام لوگوں کو کہ کبھی کوئی خیال ہی پیدا نہیں ہوتا، پڑھ رہے ہیں اور کبھی کوئی خیال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہماری نماز صحیح ہوئی یا نہیں ہوئی، تو بھائی یہ جو فرما رہے ہیں باری تعالیٰ کہ ہیں تو نماز پڑھنے والے لیکن نماز سے غفلت کرنے والے ہیں، نماز سے غفلت برتنے والے ہیں۔

ننگے سر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے

اب بہت سی باتیں ہمارے معاشرے میں پھیل گئیں ہیں کہ جو ہیں سنت کے خلاف لیکن پرواہ نہیں ہے لوگوں کو اور بعض مرتبہ لوگوں کو مسئلہ بھی غلط سمجھ میں آجاتا ہے، لوگ بتا دیتے ہیں مثلاً ننگے سر نماز پڑھنا، نماز کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ آدمی سر کو ڈھکے، کوئی ٹوپی ہو، کوئی عمامہ ہو تو سر کو ڈھکنا یہ نماز کے آداب میں تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی کبھی ننگے سر نماز نہیں پڑھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال بھی یہی تھا لیکن چونکہ آج کل رواج ہو گیا ہے لوگ ننگے سر زیادہ رہتے ہیں تو اسی حالت میں مسجد میں بھی آرہے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے نہیں ہوتی، نماز ہو جاتی ہے لیکن وہ سنت کا ثواب، سنت کا نور، سنت کی برکات حاصل نہیں ہوتیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریقہ تھا وہ انسان کو حاصل نہیں ہوتا، اس سے نماز کی برکات میں بھی کمی آجاتی ہے، یہ بھی ایک لاپرواہی کی بات ہے، ذرا سا اگر آدمی فکر کرلے تو اس کو دور کر سکتا ہے، اسی طرح پتہ نہیں کتنی باتیں ہمارے معاشرے کے اندر پھیل گئی ہیں جو غلط

ہیں، نماز کے آداب کے خلاف ہیں مگر لوگوں کو یا مسئلہ معلوم نہیں یا اس کی طرف سے لاپرواہی ہے جس کی وجہ سے آدمی سنت کے نور سے محروم ہو رہا ہے۔

آداب اور شرائط والی نماز

نماز اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز رکھی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے نماز کو اس کے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے تو فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ ، یہ ایسی چیز ہے کہ انسان کو بے حیائی کے کاموں سے منکرات سے روکتی ہے، خود بخود انسان کو اس سے علیحدہ رکھتی ہے بشرط ہے کہ وہ نماز نماز کی طرح پڑھی جائے، وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جماعت میں صفوں کو سیدھا رکھنے کا اہتمام

نمازوں کے اندر صفوں کو سیدھا رکھنے کا اہتمام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرمایا کہ اگر تم صفوں کو سیدھا اور درست نہیں رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا کر دے گا، چھوٹی سی بات ہے کہ آدمی کھڑے ہوتے ہوئے دھیان کر لے کہ میرے دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کے میں سیدھ میں ہوں، اور ان کے قدم برابر سر برابر ہیں تو کیا مشکل کام ہے لیکن غفلت کی وجہ سے ہم یہ چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی وجہ سے نماز کے اندر نقص پیدا ہوتا ہے، اور غفلت میں ہم داخل ہوتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، آپس میں انتشار ہوگا، دیکھو! کیسا کیسا اختلاف پیدا ہو رہا ہے، ہر چیز کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آداب تلقین فرمائیں ہیں اور

یہ دیکھو کہ کتنا نظم وضبط سکھایا ہے شریعت نے، صف سیدھی ہو اور ایک صف میں لوگ کھڑے ہوں، اللہ تعالیٰ نے، **سورۃ الصفت**، صف بنانے والوں کی قسم کھائی ہے، **والصفت صفا**، قسم ہے ان لوگوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، یہ سارے احکام ہیں جن کو جاننے کی ضرورت ہے اور اس سے بے پروائی کے نتیجے میں آدمی اس آیت کا مصداق بن جاتا ہے، کہ ہیں تو نماز پڑھنے والے لیکن نماز سے غفلت برتتے ہیں۔

گردنیں پھلانگ کر آگے جانا

جمعہ کے دن بڑا اجتماع ہوتا ہے تو حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ لوگ گردنیں پھلانگ کر آگے جانے کی کوشش کرتے ہے، آپ نے سختی سے اس کو روکا، جہاں جگہ ملی وہاں بیٹھ جاؤ، جب جماعت کھڑی ہو اس وقت جہاں جگہ خالی ہو وہاں آ کر پر کر لو لیکن صفوں میں لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ پھلانگ کر جانا، حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک صاحب اس طرح گردن پھلانگ پھلانگ کر آرہے تھے، تو آپ نے وہیں سے خطبہ روک کر فرمایا: **اجلس فقد آذیت**، بیٹھ جاؤ کیونکہ تم نے لوگوں کو تکلیف پہنچائی، شریعت نے اس بات کا ہر جگہ خیال رکھا ہے کہ انسان کے کسی عمل سے دوسرے کو ذرا سی بھی تکلیف نہ پہنچے، اس لئے اس بات کو منع فرمایا تو بھئی یہ ساری باتیں سیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کیا آداب اور شرائط بیان فرمائیں ہیں، ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز کے آداب اور شرائط کو سیکھے،

نماز کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں، ان کے ذریعے اپنی نمازوں کو درست کریں، اور پھر اہتمام کے ساتھ ان آداب وشرائط کا خیال رکھیں تا کہ اس آیت کی وعید کے اندر داخل نہ ہوں، کہ عذاب ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غفلت میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں اس آیت کا مصداق بننے سے محفوظ رکھے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ
الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

(بنی اسرآئیل: ۱)

واقعہ معراج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	25th-Jul-2008
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ.

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واقعہ معراج

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ❁ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ❁ سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (بنی اسرآئیل : ۱)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

ماہ رجب ماہ رمضان کا مقدمہ

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ رجب کا مہینہ چل رہا ہے، اور جو رمضان

سے دو ماہ پہلے ہے، اس کے اور رمضان کے درمیان شعبان کا مہینہ حائل ہے، اس لئے یہ ماہ رجب رمضان المبارک کے مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ماہ رجب کا چاند دیکھا کرتے تھے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ

اے اللہ، ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرمایئے، اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے، یعنی ہماری عمر اتنی کر دیجئے کہ ہمیں اپنی زندگی میں آنے والے رمضان کا مہینہ نصیب ہو جائے، اس لئے کہ انسان کو کچھ پتہ نہیں کہ کب اس کی موت آنے والی ہے، ایک انسان دیکھنے میں بھلا چنگا، صحت مند، درست ہے، لیکن اگلے لمحے کیا ہو جائے، یہ پتہ نہیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! رمضان میں صرف دو مہینے رہ گئے ہیں، لہٰذا ہماری عمر اتنی کر دیجئے کہ ہم رمضان المبارک تک پہنچ جائیں، اور رمضان المبارک کی برکات سے فیض یاب ہو جائیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں رمضان المبارک کے مہینے کی کتنی قدر و قیمت تھی۔

معراج کی تاریخ معلوم نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ اس ماہ رجب کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی فضیلت حاصل ہوئی، اور عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ماہ رجب میں معراج ہوئی، اگرچہ تاریخی اعتبار سے یہ بات پوری طرح ثابت

نہیں ہے، یعنی مضبوط روایتوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں تاریخ کو شب معراج تھی، روایتوں میں بڑا اختلاف ہے کہ کس تاریخ کو ہوئی، اور مہینے کے بارے میں بھی اختلاف ہے، لہٰذا یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے سفر پر لے جایا گیا تھا؟ بہر حال، کسی بھی تاریخ میں یہ واقعہ پیش آیا ہو، یہ انسانیت کی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ تھا، جس کی نظیر نہ اس واقعہ سے پہلے وجود میں آئی، اور نہ آپ کے بعد کسی کو یہ مقام نصیب ہو سکے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام قرب عطا کرنا

اللہ جل شانہ کے فیصلوں کی عجیب شان ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے، تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام دنیا میں مبعوث ہوئے، ہر ایک اپنی اپنی قوم کے لئے ہدایت کا پیغام لے کر آیا، لیکن اس سونے کی زنجیر کی آخری کڑی خاتم الانبیاء سید المرسلین احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھی، آپ پر سلسلہ نبوت کی تکمیل ہوئی، اور چونکہ تکمیل ہوگئی، اس لئے اللہ جل شانہ نے یہ پسند فرمایا کہ اب تک انبیاء علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ فرشتوں کے ذریعہ ہوتا تھا، کتابوں کے ذریعہ ہوتا تھا، وحی کے ذریعہ ہوتا تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت برتی کہ ان کو بنفس نفیس اپنی بارگاہ میں طلب فرمایا، اور اس شان سے طلب فرمایا کہ ایک رات کی مختصر سی گھڑی میں اپنے محبوب ترین بندے کو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس لے گئے، اور اس بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی روحوں کا مجمع جمع فرمایا، اور حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ان سے نماز پڑھوائی، اور اس کے بعد بیت المقدس سے ساتوں آسمان، اس سے بھی اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک، اس کے بعد اس مقام تک پہنچے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس سے آگے جانے کی ہمارے اندر مجال نہیں، پھر براہ راست اللہ جل شانہ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔

اللہ سے راز و نیاز کی باتیں

وہاں پر کیا باتیں ہوئیں؟ کیا گفتگو ہوئی؟ کیا راز و نیاز ہوئے؟

میان عاشق ومعشوق رمزیست

کراماً کاتبین راہم خبر نیست

اللہ تعالیٰ اور آپ کے محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو راز و نیاز کی باتیں ہوئیں، کہ وہ فرشتے جو انسانوں کے نامہ اعمال لکھنے کے لئے ہر وقت موجود رہتے ہیں، ان کو بھی پتہ نہیں، اس لئے کہ آپ اس مقام پر پہنچے تھے جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں، جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، اس مقام پر آپ پہنچے، کیا گفتگو ہوئی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اور کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔

امت کے لئے نماز کا عظیم تحفہ

ایسا لگتا ہے کہ۔ واللہ اعلم۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بارگاہ الٰہی میں باریابی ہوئی تو شاید اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا ہو کہ یا اللہ، آپ نے مجھے تو یہ مقام

بلند عطا فرمادیا، لیکن میری امت کا کیا ہوگا؟ میری امت جس کی فکر مجھے ہر آن اور ہر لمحے دامن گیر ہے، اتنی فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا تم اپنی امت کی فکر میں اپنی جان گھلا بیٹھو گے؟ اس امت کے لئے میں کیا لے کر جاؤں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری امت کے لئے ایک ایسی چیز دیتے ہیں کہ اس کے ذریعہ تمہاری امت کا ہر فرد معراج کے مقام تک پہنچ سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ تم یہ پانچ نمازوں کا تحفہ امت کے لئے لے کر جاؤ، ان نمازوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ

یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے، یعنی جب اللہ کا بندہ، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کے ساتھ کھڑا ہو کر اس کی بارگاہ میں سربسجود ہوتا ہے، اپنی پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے، سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ بندہ مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

سجدہ انتہائی قرب کا ذریعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی فِی السُّجُوْدِ

کہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قرب انسان کو سجدہ کی حالت میں حاصل ہوتا ہے، قرآن کریم میں جو سب سے پہلی سورت نازل ہوئی تھی ''اقرا'' اس کی آخری آیت جو آیت سجدہ ہے، اس کی تلاوت کے بعد یا اس کو سننے کے بعد سجدہ تلاوت کرنا واجب ہوتا ہے، اس میں بڑے پیار کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

سجدہ کرو اور میرے پاس آجاؤ، اس کے ذریعہ یہ بتلا دیا کہ تم اگر میرے پاس آنا چاہتے ہو، اور میرا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو سجدہ میں آجاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو معراج کی ایک جھلک عطا فرمائی ہے کہ سجدہ میں آجاؤ، اور مجھ سے باتیں کرو، اور میرے سامنے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرو، اور جتنا زیادہ کرو گے، اتنا ہی میرا قرب حاصل ہوگا، یہ پانچ نمازوں کا تحفہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے موقع پر لائے۔

اللہ میاں نے مجھے پیار کرلیا

بات دراصل یہ ہے کہ جب ہم سجدہ کرتے ہیں تو سجدہ کی حقیقت کا دھیان نہیں کرتے کہ یہ سجدہ کیا چیز ہے؟ بس ایک عادت پڑی ہوئی ہے، اس عادت کے مطابق پیشانی زمین پر ٹیک دی، اور پھر اٹھالی، لیکن اس کی حقیقت پر غور نہیں کیا، جو لوگ اس سجدہ کی حقیقت سے آشنا ہیں، اس کی لذت سے آشنا ہیں، ان سے پوچھو کہ سجدہ میں کیا مزہ آتا ہے۔ حضرت شاہ گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں، ان کو گزرے ہوئے ۸۰ سال یا ۹۰ سال ہوئے ہوں گے، زیادہ عرصہ نہیں ہوا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ بھی ان سے ملے ہیں، جب حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ ان کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، وہ مجذوب صفت بزرگ تھے، تو فرمایا کہ میاں اشرف علی: تمہیں کیا بتاؤں، جب میں سجدہ میں جاتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ

میاں نے مجھے پیار کرلیا۔تو اگر سجدہ سجدے کی طرح کیا جائے، دھیان کے ساتھ کیا جائے کہ کس چوکھٹ پر سر رکھا ہوا ہے، تو پھر اس سجدہ کی یہ کیفیت ہوتی ہے جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمائی۔

زمین کو آسماں کردوں

ہمارے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

جب میں سجدہ میں سر رکھ دوں
زمین کو آسماں کردوں

یعنی جب یہ پیشانی اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر لگادی تو اب یہ زمین بھی آسمان بن گئی، کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

سر بر قدم حسن، قدم بر کلاہ و تاج

جب سر حسن کے قدم پر رکھ دیا، حسن سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات، کیونکہ حقیقت میں حسن تو اللہ تعالیٰ کا حسن ہے، جب اس نے اپنا سر اللہ تعالیٰ کے قدموں پر، اور اس کی چوکھٹ پر رکھ دیا تو اس سجدہ کرنے والے کے قدم بادشاہوں کے تاج وتخت پر ہوتے ہیں۔

سر بر قدم حسن، قدم بر کلاہ و تاج
دیوانہ بڑی شان سے دیوانہ بنا ہے

سجدے کی لذت کس طرح حاصل کر سکتے ہو؟

بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ سجدہ کی قدر نہیں پہچانتے، سجدہ کی حقیقت

نہیں جانتے، سجدہ کو سجدے کی طرح ادا نہیں کرتے، اس کی وجہ سے سجدہ کی نہ لذت محسوس ہوتی ہے، نہ سجدہ کے آثار محسوس ہوتے ہیں، لیکن اگر ایک مرتبہ زمین پر پیشانی ٹیک کر دھیان سے کہہ دو کہ:

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

پاک ہے وہ میرا پروردگار جو اعلیٰ ہی اعلیٰ ہے، تو سجدہ کے اندر لذت محسوس کریں گے۔

اعلیٰ کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا

دیکھئے! ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ سجدہ کی حالت میں یہ کہو: سبحان ربی الاعلیٰ؛ اور رکوع میں کہا گیا یہ کہو ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' حالانکہ رکوع کی حالت میں انسان زمین سے سجدہ کی بہ نسبت بلند ہوتا ہے، اور سجدہ میں انسان بالکل زمین سے مل جاتا ہے، سب سے نچلی حالت سجدہ کی ہوتی ہے، اس نچلی حالت میں کہلوایا جارہا ہے کہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' پاک ہے میرا وہ پروردگار جو اعلیٰ ہی اعلیٰ ہے، جس کی شان بلند ہی بلند ہے، اس اعلیٰ کی چوکھٹ پر میں نے اپنا سر رکھا ہے، جب اس کی چوکھٹ پر سر رکھا ہے تو وہ اعلیٰ ذات میرے اس سر رکھنے کو رائیگاں اور بے کار نہیں جانے دے گی۔

سجدے میں دعائیں کرنا

اس لئے فرمایا گیا نفلی نماز کے سجدے میں وہ دعائیں کیا کرو، جو دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہیں، یا جو دعائیں قرآن میں آئی ہیں،

جیسے یہ دعا کہ:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

یا اس کے علاوہ دوسری دعائیں سجدے کی حالت میں مانگنی چاہیے، کیونکہ سجدہ کی حالت میں دعا کرنے کا اور ہی لطف ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے شب معراج میں یہ سجدوں کا تحفہ بھیجا کہ سجدہ کرو اور میرے قریب آجاؤ، شب معراج سے یہ سبق لینا چاہیے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام بلند کا کون احاطہ کرسکتا ہے؟ کون اس کا ادراک کرسکتا ہے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو تحفہ امت کے لئے لے کر آئے، وہ یہ نماز کا اور سجدے کا تحفہ ہے، میرے بھائیو! معراج سے جو تحفہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، اس کی قدر پہچاننے کی ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس قدر پہچان کو سجدے کو سجدہ کی طرح انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ایسے لوگ سجدہ نہیں کرسکیں گے

قرآن کریم کی ایک آیت ہے، جس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں:

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

(سورہ نٓ: ۴۲)

اس آیت کے لفظی معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولیں گے، اور لوگوں کو اس وقت سجدہ کی دعوت دی جائے گی، وہ کافر لوگ جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کیا تھا، ان کو بھی سجدہ کی دعوت دی جائے گی، وہ لوگ سجدہ

کرنا چاہیں گے، مگر ان کی کمر تختے کی طرح سیدھی کر دی جائے گی، جس کے نتیجے میں وہ لوگ سجدہ نہیں کر سکیں گے، اور جن لوگوں کو دنیا میں سجدہ کرنے کی عادت تھی، وہ لوگ دنیاوی سجدہ کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ لطف اور لذت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کریں گے۔

ساق کی تجلی کو سجدہ

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ درحقیقت جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پنڈلی پر سجدہ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کی حقیقت ہم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، کون اس کا تصور کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کا کیا مطلب ہے؟ لیکن یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک تجلی ہے، اس تجلی کو سجدہ ہوتا ہے، لیکن یہاں دنیا میں وہ تجلی نظر نہیں آتی، اس کا احساس عام طور سے نہیں ہوتا، لیکن جب یہ سجدہ کرنے والے آخرت میں پہنچیں گے، تو اس تجلی کو سامنے کر دیا جائے گا، اور جب اس تجلی کے سامنے سجدہ کریں گے، تو اس سجدہ کا لطف ہی کچھ اور ہوگا۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

اس واقعہ سے یہ سبق مل رہا ہے کہ معراج کے اس تحفے کی قدر پہچاننے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ، آج ہمیں یہ سجدہ کرتے ہوئے مشکل پیش آتی ہے، یہ سجدہ گراں معلوم ہوتا ہے، لیکن تمہیں پتہ نہیں کہ اس ایک سجدہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمہیں کتنے سجدوں سے نجات دے دی، علامہ اقبال مرحوم

کہتے ہیں کہ:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرلو، پھر کسی کے آگے سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنے سے روگردانی کروگے تو نہ جانے تمہیں کہاں کہاں سجدے کرنے پڑیں گے، کبھی حکمرانوں کے سامنے، کبھی مالداروں کے سامنے، کبھی بڑے رئیسوں کے سامنے سجدے کرنے پڑیں گے، لیکن جو پیشانی ایک مرتبہ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں جھک گئی ہو، وہ کہیں اور نہیں جھک سکتی، وہ جانتی ہے کہ ہر کام کا آخری فیصلہ اسی ذات کے ہاتھ میں ہے، نہ کسی حاکم کے اختیار میں کچھ ہے، نہ کسی دولت منداور سرمایہ دار کے ہاتھ میں کچھ ہے، نہ کسی افسر کے اختیار میں کچھ ہے، جو کچھ ہے وہ اسی کے اختیار میں ہے، لہٰذا میری پیشانی تو اسی کے آگے جھکے گی، اس کے علاوہ کسی اور کے آگے نہیں جھکے گی، واقعہ معراج میں ہمارے لئے یہ بہت اہم سبق ہے۔

دوسرا تحفہ، تعلیمات اور احکام

پھر دیکھئے: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورت اسراء کے نام سے پوری سورت نازل فرمائی ہے، جس کی پہلی آیت ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی کہ "**سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی**" پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گئی مسجد حرام سے

مسجد اقصیٰ کی طرف، یہ سورت ان الفاظ کے ساتھ شروع ہو رہی ہے، اور اس میں معراج کے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس کے بعد اس سورت میں بہت سے احکام دیئے گئے ہیں، جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج تمہارے لئے یہ پیغامات لے کر آئی ہے، اس سورت میں بہت سے احکامات ہیں، مثلاً یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، والدین کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر کسی سے کوئی وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، امانتوں میں خیانت نہ کرو، یہ تقریباً آدھی سورت ان احکامات اور تعلیمات سے بھری ہوئی ہے، گویا یہ واقعہ معراج میں ایک تحفہ پانچ نمازوں کا دیا گیا، اور دوسرا تحفہ ان احکام اور تعلیمات کا جو اس سورت میں مذکور ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بندہ کا خطاب

یہاں دو باتیں اور سمجھنے کی ہیں، ایک یہ کہ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ معراج کے واقعہ کا ذکر فرما رہے ہیں، اتنے بڑے واقعہ کا بیان ہو رہا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اتنا بڑا مظاہرہ فرما رہے ہیں، لیکن اس واقعہ کے بیان کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ ''عَبۡد'' استعمال فرمایا: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ. یعنی وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ؛ اپنا بندہ؛ فرمایا، حالانکہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیسے کیسے الفاظ لائے ہیں فرمایا:

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا (الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

ہم نے تمہیں شاہد بنا کر بھیجا، ہم نے تمہیں مبشر بنا کر بھیجا، ہم نے تمہیں نذیر بنا کر بھیجا، اور اللہ کی طرف سے دعوت دینے والا بنا کر بھیجا، اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیآء: ۱۰۷)

اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی کیسی صفات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائیں، لیکن معراج کے بیان کے موقع پر ان تمام صفات کے بجائے یہ فرمایا کہ وہ ذات اپنے بندہ کو لے گئی، اشارہ اس کے ذریعہ اس طرف فرمایا کہ انسان کے کمال کی معراج یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بن جائے۔

انسانیت کا اعلیٰ ترین مقام بندگی

''بندگی'' یہ سب سے اونچا مقام ہے جو کسی بشر کو حاصل ہوسکتا ہے، اس سے اونچا کوئی اور مقام نہیں، اس سے بالا کوئی مقام نہیں، جو بندہ جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندگی کا مظاہرہ کرنے والا ہے، وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معزز اور مکرم ہے، اتنا ہی اس کا مقام بلند ہے، ؛بندگی؛ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع بنادے۔

عاشقی چیست ؟ بگو بندۂ جاناں بودن
دل بدست دیگرے دادن وحیراں بودن

عاشقی کیا چیز ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہو کہ اپنے محبوب کا بندہ بن جانا، اپنا دل کسی اور کے حوالے کر کے حیران ہوجانا، یہ ہے بندگی کہ میں نے اپنے آپ کو اپنے خالق اور مالک کے حوالے کردیا، وہ جس طرح چاہیں،

میرے اندر تصرف کریں، میں اس کے ہر فعل پر راضی ہوں، اور وہ جو حکم دینا چاہیں، میں اس حکم کی تعمیل کرنے پر راضی ہوں، یہ ہے بندگی اور یہ انسانیت کا اعلیٰ ترین مقام ہے، اس سے اونچا مقام کوئی اور نہیں ہوسکتا، اس لئے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا۔

بندگی مکمل اطاعت کا نام ہے

دوسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ معراج کا یہ واقعہ انسانیت کی تاریخ کے عظیم ترین واقعات میں سے ہے، لیکن ہمارے دین نے ہمیں افراط وتفریط سے بچایا ہے، اور اعتدال کا راستہ عطا فرمایا ہے، لہٰذا ہمارے دین میں یہ فرمایا گیا کہ ''بندگی'' کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس پر عمل کرو، اپنی طرف سے کوئی چیز مت نکالو، اور جو بات جس درجے میں ہے، اس کو اسی درجے میں رکھو، اس سے آگے نہ بڑھاؤ، وہ شب معراج جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے، وہ اعلیٰ ترین رات تھی، عظیم الشان رات تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی پوری سیرت طیبہ کو آپ دیکھ لیں، کسی جگہ بھی کوئی ایک واقعہ بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا کہ جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ فلاں تاریخ کو ''شب معراج'' ہوگی، لہٰذا شب معراج منائی جائے گی، اور اس میں چراغاں کیا جائے گا، اس میں عبادت کا خاص اہتمام کیا جائے گا۔

اس رات میں کوئی خاص عمل ثابت نہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اول تو شب معراج کا واقعہ یقینی طور پر پتہ نہیں کہ کس رات میں پیش آیا، لیکن اگر بالفرض پتہ بھی چل جائے کہ فلاں خاص رات کو یہ واقعہ پیش آیا تھا، تو اس رات میں کوئی خاص عمل سنت سمجھ کر کرنا درست نہیں، اسی کو بدعت کہتے ہیں، ہاں! جس رات میں بھی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے، وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے، نمازیں بڑھیں، تلاوت کریں، نفلیں پڑھیں، سجدے کریں، سجدے میں دعائیں کریں، لیکن کسی رات کی تخصیص کرنی ٹھیک نہیں۔

رجب کا روزہ ثابت نہیں

اسی طرح رجب کے روزے کا معاملہ ہے، چونکہ اس بارے میں صحیح حدیث ثابت نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص رجب میں روزہ رکھتا تھا تو آپ اس کو زبردستی کھانا کھلا کر روزہ تڑوادیتے تھے، اور فرماتے تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ سنت ہے، حالانکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں، ہاں عام دنوں میں سے کسی بھی دن روزہ رکھ لے، اور اس دن بھی روزہ رکھ لے، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن سنت سمجھ کر نہ رکھے، اگر اس رات میں جاگ رہے ہیں، اور عبادت کر رہے ہیں، تو کریں، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن سنت سمجھ کر نہیں، جیسے اور راتوں میں جاگتے ہیں، اس طرح آدمی حدود کے اندر رہتا ہے، اور اس حد کے اندر رہتا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے متعین فرمائی

ہے، اس سے آگے بڑھنا یہ حد سے تجاوز ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہم سب کو حد سے تجاوز کرنے سے محفوظ فرمائے، اور معراج کا جو سبق ہے، اس کو ذہن نشین کرا کر اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ماہ شعبان کی فضیلت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	26th-Aug-2007
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ شعبان کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ ، آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولا نا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین .

ماہ رجب کا چاند دیکھ کر دعاء مسنون

بزرگان محترم اور برادران عزیز، شعبان کا مہینہ چل رہا ہے، یہ مہینہ شرعی احکام کے اعتبار سے رمضان المبارک کا مقدمہ ہے، کیونکہ اس کے فوراً بعد رمضان

کا مبارک مہینہ آنے والا ہے، اس ماہ رمضان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ خاص معمولات تھے، جو اس مہینہ میں آپ انجام دیا کرتے تھے، ان میں ایک معمول پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رجب کا چاند دیکھتے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ ۔ اے اللہ، ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرمایئے، اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے، یعنی ہماری عمر اتنی دراز کر دیجئے کہ ہم رمضان کا مہینہ اپنی زندگی میں پالیں، اور اس کی برکات سے بہرور ہوسکیں، ایک معمول تو آپ کا اس دعا کے کرنے کا تھا۔

ماہ شعبان میں روزوں کی کثرت

دوسرا معمول یہ تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک حدیث میں روایت فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، روزے رکھنے کو رمضان المبارک کی تیاری سمجھ لیں، یا اس کی مشق سمجھ لیں، اور اس کا استقبال سمجھ لیں، بہر حال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں کثرت سے نفلی روزے رکھا کرتے تھے، یہ روزے واجب نہیں، فرض نہیں، لیکن شعبان کے کسی دن میں بھی اللہ تعالیٰ روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمادیں تو دوسرے دنوں کے روزوں سے وہ روزہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اور زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے، کوئی تعداد مقرر نہیں، کوئی دن مقرر نہیں، بلکہ جس دن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہوجائے، اس میں نفلی روزہ رکھ لینا چاہیے۔

ماہ شعبان میں قضا روزے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جو روزے نسوانی مجبوری کی وجہ سے قضا ہو جایا کرتے تھے تو میں ان کی قضا شعبان میں کیا کرتی تھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس زمانے میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، تو ان ایام میں میرے لئے روزہ رکھنا آسان ہو جاتا تھا کہ آپ بھی روزے سے ہیں، اور میں بھی روزے سے ہوں، اس سے شعبان کے روزوں کی فضیلت معلوم ہوئی۔

رمضان سے دو دن پہلے روزہ نہ رکھنا

البتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ہی صحابہ کرام کو یہ بھی ہدایت دی تھی کہ رمضان سے ایک دن پہلے یا دو دن پہلے روزہ نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ روزہ چھوڑ دینا چاہیے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ تا کہ انسان رمضان کا استقبال نشاط کے ساتھ کر سکے، رمضان سے پہلے ہی روزے رکھنے سے کمزور نہ ہو چکا ہو، ایک وجہ علماء کرام نے یہ بیان فرمائی ہے، اور دوسری وجہ جو اس سے زیادہ گہری ہے، وہ یہ کہ دین اتباع کا نام ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع، اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، اور جزبات کی تسکین کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ جل شانہ کے احکامات کی پیروی کا نام دین ہے۔

رمضان کے روزوں میں اضافہ ہو جائے گا

اسی لئے بدعات کو ضلالت اور گمراہی قرار دیا گیا ہے، کیونکہ بدعت ایسا عمل

ہے جو انسان کو اپنے ارادے اور خواہش کے مطابق انجام دیدیتا ہے، اور اسی کو وہ دین سمجھ لیتا ہے، اور اس کو دین قرار دے دیتا ہے، جبکہ اس عمل کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، لہٰذا اس بدعت کے ذریعہ اللہ کے حکم کی اتباع نہیں ہوتی، اسی لئے شریعت نے یہ حکم دیا کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنا چھوڑ دو، کیوں چھوڑ دو؟ اس لئے کہ ایک دو دن پہلے سے روزہ رکھنا شروع کردو گے تو گویا کہ تم نے اپنی طرف سے رمضان کے روزوں میں اضافہ کرلیا، اللہ تبارک تعالیٰ نے تو تم پر ۳۰ یا ۲۹ روزے فرض کئے تھے، تم نے شعبان کے آخر کے دو روزوں کو بھی اسی کے ساتھ ملا دیا، تو اب رمضان کے روزے ۳۱ یا ۳۲ ہو جائیں گے، یہ اپنی طرف سے فرض روزوں کے اندر اضافہ ہوگا، اور شریعت اس بات کا اہتمام کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے فرائض میں کوئی بھی شخص کوئی بھی اضافہ نہ کرے، اور کوئی کمی بھی نہ کرے، اس لئے شعبان کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔

سحری بالکل آخری وقت میں کھاؤ

آپ نے یہ حکم بھی سنا ہوگا کہ جب روزہ رکھنے کیلئے سحری کھاؤ تو بالکل آخری وقت میں سحری کھانا زیادہ مستحب ہے، یہ مناسب نہیں کہ آدمی دو تین گھنٹے پہلے سحری کھا کر فارغ ہو جائے، یہ پسندیدہ عمل نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ روزہ کا وقت اللہ تعالیٰ نے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک مقرر فرمایا ہے، اب اگر تم نے سحری کے وقت سے دو گھنٹے پہلے کھانا چھوڑ دیا تو تم نے روزہ کی مقررہ مقدار میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آخری وقت میں سحری کھاؤ، کیونکہ ہمارا حکم یہی ہے۔

افطاری میں تاخیر مت کرو

اسی طرح افطار کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جونہی سورج غروب ہو جائے، اور یہ یقین ہو جائے کہ سورج غروب ہو چکا تو اب جلد از جلد افطار کرلو، اب دیر مت کرو، کیونکہ اب اگرتم دیر کرو گے تو اپنی طرف سے روزے کی مقدار میں اضافہ کر رہے ہو گے، اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا تھا کہ غروب آفتاب تک روزہ رکھنا، تم نے غروب آفتاب سے آگے بڑھا دیا، یہ اپنی طرف سے بڑھایا، اور جو عبادت اپنی طرف سے کی جائے وہ معتبر نہیں۔

اصل چیز اللہ کے حکم کی اتباع

اس حکم کہ ذریعہ یہ سبق دیا جارہا ہے کہ نہ بھوکا پیاسا رہنے میں کچھ رکھا ہے، اور نہ کھانے پینے میں کچھ رکھا ہے، اصل چیز اللہ جل شانہ کے حکم کی اتباع ہے، جب وہ کہیں کہ بھوکے رہو تو بھوکے رہو، اور جب وہ کہیں کہ کھاؤ، تو کھاؤ، اس وقت کھانا ہی فضیلت والا عمل ہے، اور کھانے پر ہی ثواب ملے گا، کیونکہ ان کا حکم ہے کہ کھاؤ۔ یہی معاملہ شعبان کے آخری دو روزوں کا ہے، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شریعت نے کتنی باریکی کے ساتھ اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ کوئی شخص دین میں اپنی طرف سے اضافہ نہ کرے، اپنی طرف سے دین میں کوئی چیز شامل نہ کرے، چاہے وہ چیز دیکھنے میں اچھی معلوم ہو رہی ہو، چاہے وہ عبادت معلوم ہو رہی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقے کے خلاف ہے، اس لئے وہ عمل پسندیدہ نہیں، بلکہ گناہ والا عمل ہے، بہر حال، شعبان سے متعلق یہ دوسرا حکم تھا۔

شب برأت میں عبادت

شعبان سے متعلق تیسرا حکم یہ ہے کہ اسی شعبان میں ۱۴ اور ۱۵ شعبان کی درمیانی رات جس کو ہمارے یہاں ''شب برأت'' کہا جاتا ہے، اس رات کے بھی کچھ احکام ہیں، یہ ایک ایسی رات ہے، جس کی فضیلت متعدد روایات سے ثابت ہے، اور اس رات میں عبادت کو عام راتوں کے مقابلے میں زیادہ موجب اجر وثواب قرار دیا گیا ہے، آج کل بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ''شب برأت'' کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یا اسکے بارے میں کوئی عمل صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، یہ بات درست نہیں، حقیقت میں ''شب برأت'' کی فضیلت سترہ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمایا کہ اس رات میں عبادت کرنا فضیلت رکھتا ہے، ان میں سے بعض روایتیں سند کے اعتبار سے کمزور بھی ہیں، لیکن ان تمام روایتوں کا مجموعہ بے اصل اور بے بنیاد نہیں، اسلئے علماء محققین کا کہنا یہی ہے کہ ''شب برأت'' خصوصی فضیلت رکھتی ہے، اور اسمیں عبادت کا اور نفلی نمازوں کا مسلمانوں کو اہتمام کرنا چاہیے۔

اس رات میں اللہ کی طرف سے ندا

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کا منادی آواز لگاتا ہے کہ: اَلَا هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُلَهٗ، سنو، کیا کوئی ہے جو اپنے گناہوں کی مغفرت مانگنے والا ہو، اور میں اس کی مغفرت کروں؟ اَلَا هَلْ مِنْ مُبْتَلٰی فَاُعَافِیَهٗ، ہے کوئی مبتلاء مصیبت، جس کی مصیبت کو میں عافیت سے تبدیل کروں؟ ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہوتا رہتا ہے، لہٰذا اس رات میں جاگنا اور عبادت کرنا

عام راتوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت کا سبب ہے، بشرطیکہ وہ عبادت اسی طرح کی جائے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اس میں بھی اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ ہو، اس لئے کہ اپنی طرف سے اضافہ شریعت میں قبول نہیں۔ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ، ہر وہ نئی بات جو انسان دین میں پیدا کرے وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

شب برأت میں حلوہ پکانا

شیطان تو انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے، اس نے جب یہ دیکھا کہ فضیلت والی رات آنے والی ہے، اور اس رات میں مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے، عبادتیں کریں گے، دعائیں مانگیں گے، میرا تو اس رات میں نقصان ہو جائے گا، اس لئے شیطان نے ایسے ایسے نئے طریقے ایجاد کرا دیے تا کہ لوگ عبادت کو چھوڑ کر ان طریقوں میں لگ جائیں، اور اس کے نتیجے میں اس رات سے جو فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، وہ فائدہ نہ اٹھا سکیں، چنانچہ شیطان نے یہ سمجھایا کہ نماز پڑھو، یا نہ پڑھو، لیکن شب برأت کا حلوہ ضرور پکاؤ، اور یہ حلوہ پکانا ضروری ہے، فرض ہے، اگر کوئی شخص نہ پکائے تو وہ قابل ملامت ہے، کہ لو بھئی، اسکے گھر تو شب برات کا حلوہ بھی نہیں پکتا، یہ تو وہابی ہے، کنجوس ہے، بخیل ہے۔ اب بتائیے، حلوہ کا ذکر قرآن کریم میں، حدیث میں، یا صحابہ کرام کے عمل میں کہیں موجود ہے، کہ شب برأت میں حلوہ پکنا چاہیے، نہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، نہ حضور اقدس ﷺ نے حدیث میں بیان فرمایا، نہ صحابہ

کرام کے عمل میں دور دور تک کوئی نشان نظر آتا ہے، مگر شیطان نے یہ چیز پھیلا دی، اور اس کو فرض و واجب سے زیادہ ضروری قرار دے دیا، اگر کسی سے کہا جائے کہ حلوہ مت پکاؤ، یہ بدعت ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ حلوہ پکانے میں کیا حرج ہے؟ حلوہ کوئی حرام چیز ہے؟ ارے بھائی، حلوہ حرام نہیں، تم روزانہ پکاؤ، لیکن شب برأت کو خاص طور پر حلوے کے لئے مخصوص کر لینا، اور اس کو فرض و واجب قرار دینا، کوئی نہ پکائے تو اس پر ملامت کرنا، یہ اپنی طرف سے دین میں اضافہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کو گوارہ نہیں۔

شب برأت میں آتش بازی

دوسرے شیطان نے لوگوں کو حلوے سے بھی زیادہ خطرناک کام میں لگا دیا وہ یہ کہ شب برأت میں آتش بازی ہونی چاہیے، اس عمل کے ذریعہ لاکھوں روپیہ آگ میں جلا دیا جاتا ہے، حالانکہ اس آتش بازی نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کی جان لے لی ہے، بوھری بازار صدر میں اس آتش بازی کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کا گواہ ہے، کس طرح پورا بازار نذر آتش ہو گیا تھا، جب کہ قرآن کریم میں حدیث شریف میں اور صحابہ کرام کے عمل میں کہیں سے بھی اس کا ثبوت نہیں، اپنی طرف سے شیطان نے شب برأت کے ساتھ آتش بازی کا شگوفہ چھوڑ دیا، حلوہ پکانا تو چلو دوسرے دنوں میں جائز تھا، لیکن یہ آتش بازی تو دوسرے دنوں میں بھی حرام ہے، تو اس مبارک رات میں جس میں اللہ تعالیٰ گناہوں کی مغفرت مانگنے کو فرما رہے ہیں، جس میں دعائیں کرنے کو فرما رہے ہیں، اس رات میں یہ گناہ کا کام کرنا کتنی بری بات ہے، لہٰذا اس برے عمل کو ہمیں چھوڑنا چاہیے۔

اس رات میں عبادت کا طریقہ

تیسرے یہ کہ یہ مبارک راتیں جن میں جاگنے کا اور عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس عبادت کا اصل طریقہ یہ ہے کہ آدمی براہ راست اپنے پروردگار کے ساتھ رشتہ قائم کرے، تنہائی میں اور خلوت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو، بس وہ ہو، اور اسکا اللہ ہو، اور اس رات میں عبادت بھی کرے، سجدے بھی کرے، اور دعائیں بھی مانگیں، تلاوت بھی کرے، جتنا خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریگا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا، اتنا ہی اجر وثواب زیادہ ملے گا، اتنی ہی دعائیں قبول ہوں گی۔

یہ رات فضولیات میں صرف ہو رہی ہے

لیکن آج کل ہم نے ان راتوں میں جلسوں کا سلسلہ شروع کر دیا، یہ مبارک رات جلسوں کے انتظامات میں صرف ہو رہی ہے، کھانے پک رہے ہیں، دیگیں چڑھ رہی ہیں، دعوتیں ہو رہی ہیں، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ رات جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، وہ ان فضول کاموں میں صرف ہو رہی ہے، ارے اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک رات عطا فرمائی ہے، اس میں جتنا بھی موقع مل جائے، بس گوشہ تنہائی میں اپنے اللہ سے رابطہ قائم کرو، اس رات میں نفلی نمازیں پڑھو، لمبی لمبی سورتیں اگر یاد ہیں تو وہ ان نمازوں میں پڑھیں، دعائیں کریں، مناجات مسنون میں جو دعائیں درج ہیں، وہ کریں، اپنے لئے دعائیں کریں، آج پوری امت مسلمہ ایک عظیم آزمائش میں مبتلا ہے، اور خاص طور پر ہمارا ملک چاروں طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہے، اس کے لئے دعا کریں، اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں، ان کاموں میں اس رات کو صرف کرنا چاہیے، اللہ

تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۱۵ رشعبان کا روزہ

اس کے بعد اگلے دن یعنی ۱۵ رشعبان کے روزے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں، یہ جو مشہور ہے کہ ۱۵ رشعبان کا روزہ فضیلت والا ہے، اس بارے میں جو حدیث آئی ہے، اس کی سند بہت کمزور ہے، قابل اعتبار نہیں، البتہ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے پورے مہینے میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، لہٰذا وہ فضیلت جس طرح آج کے دن کو حاصل ہے، ۱۵ رشعبان کے دن کو بھی حاصل ہے، لیکن خاص طور پر ۱۵ رشعبان کے روزے کو زیادہ فضیلت والا سمجھ کر روزہ رکھنا مناسب نہیں، البتہ پورے مہینے میں جب بھی موقع مل جائے، روزہ رکھ لیا جائے، اس طرح اس شب برات کو گزارنا چاہیے۔

اس رات میں مغفرت کی کثرت

البتہ اس رات کے بارے میں ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں اتنے لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہوتے ہیں، عرب کا قبیلہ بنی کلب ایک بہت بڑا قبیلہ تھا، اور وہ بکریاں بہت پالتے تھے، اور ہر بکری کے جسم پر بال بہت ہوتے تھے، سارے قبیلے کی بکریوں کے جسم پر جتنے بال ہوتے ہیں، اس مقدار میں اللہ تعالیٰ انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

دل میں کینہ رکھنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی

مگر ساتھ ہی یہ فرمایا کہ دو آدمیوں کی مغفرت اس رات میں نہیں ہوتی،

ایک وہ شخص جو کسی دوسرے مسلمان سے کینہ رکھتا ہو، کینہ کا مطلب یہ ہے بلا وجہ اس کی بدخواہی پر آمادہ ہو، بلا وجہ اس کو برا سمجھ کر اس کو تکلیف پہنچانے اور اس کو ذلیل کرنے کی فکر میں رہتا ہو، ایسے شخص کی اس رات میں مغفرت نہیں ہوتی، لہٰذا اس کا اہتمام ہمیشہ ہی کرنا چاہیے، کہ کسی مسلمان کی طرف سے تمہارے دل میں کینہ نہ ہو، ارے۔ بھائی کسی مسلمان سے کوئی غلطی ہوگئی ہے، تو تم اس کی غلطی کا اس کے سامنے اظہار کردو، اور تمہیں اس سے کوئی شکایت ہے، تو اس کو بتا کر معاملہ صاف کرلو، اور تمہیں شریعت نے یہ بھی حق دیا ہے کہ جس شخص نے تمہیں جتنی تکلیف پہنچائی ہے، تم اتنی تکلیف اس کو پہنچادو، اور اس سے بدلہ لے لو، لیکن دل میں کینہ لے کر بیٹھ گئے، اور پھر اس کو ذلیل کرنے، رسوا کرنے، بدخواہی کرنے، تکلیف پہنچانے کی فکر میں لگ گئے، یہ عمل اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی بخشش اس رات میں بھی نہیں ہوتی۔

ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کی بخشش نہیں ہوتی

دوسرے وہ شخص جو اپنا پاجامہ، یا شلوار، یا پتلون کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے، آج کل پاجامہ، شلوار اور پتلون کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کا بہت رواج ہو چکا ہے، حدیث شریف میں فرمایا کہ یہ دراصل تکبر کی علامت ہے، اور تکبر ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کرتے، ایک حدیث قدسی میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ بڑائی تو میری چادر ہے، جو شخص اس بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا، تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا، تو تکبر بہت خراب چیز ہے، اور یہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر کی علامت ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اس موقع پر

خاص طور پر اس کا ذکر فرمایا کہ اس کی اس رات میں بخشش نہیں ہوگی، ذرا سوچیں کہ اگر شلوار کو نیچے لٹکا لیا تو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ کچھ نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ہوگی، اور اتنی بڑی وعید کا سامنا کرنا ہوگا۔

اس رات میں قبرستان جانا

آخری بات اس رات میں قبرستان جانے کے بارے میں عرض کرنی ہے، وہ یہ کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ساری حیات طیبہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک مرتبہ اس رات میں جنت البقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور وہ روایت بھی سنداً اتنی زیادہ مضبوط بھی نہیں ہے اور وہاں پر قبلہ رو ہو کر دعائیں مانگیں، لیکن پوری زندگی میں ایک ہی مرتبہ پیش آیا، ہر سال جانے کا معمول نہیں تھا، لہٰذا اگر کوئی اس نیت سے قبرستان جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مرتبہ تشریف لے گئے، میں بھی چلا جاتا ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو ایک مستقل سنت قرار دینا کہ ہر سال جانا ضروری ہے، یہ سمجھنا درست نہیں، اس طرح اگر کوئی شخص قبرستان جا کر اپنے مردوں کے حق میں دعائیں کرے، اور اپنے حق میں دعائیں کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں اس رات سے صحیح فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، اور اپنے غضب اور ناراضگی کے اسباب سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

رمضان المبارک

زکوٰۃ وصدقات کا مہینہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	31st-Aug-2008
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک

زکاۃ وصدقات کا مہینہ بھی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِینُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ❁ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ❁ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْآنُ ھُدًی لِلنَّاسِ وَ بَیِّنَاتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ❁ (البقرۃ : ۱۸۵)

آمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْم ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رمضان

المبارک کی مبارک گھڑیاں ہم سب پر سایہ فگن ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان مبارک گھڑیوں سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ رمضان کے شروع ہونے سے ذرا پہلے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن میں صحابہ کرام کے سامنے ایک خطبہ دیا تھا، اور اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے فضائل اور اس کی برکات بیان فرمائیں۔

رمضان میں فرض کا ثواب سترّ گنا

اسی خطبہ میں آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کی یہ خصوصیت رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس ماہ مبارک میں کوئی نفلی عبادت انجام دیتا ہے تو اس نفلی عبادت کا ثواب فرض عبادت کے برابر ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی اس ماہ مبارک میں فرض عبادت انجام دیتا ہے تو اس فرض کا ثواب سترّ گنا بڑھ جاتا ہے، یعنی اگر ایک فرض نماز پڑھی تو اس ایک نماز کا ثواب سترّ نمازوں کے برابر ہوگا، اور اگر ایک روزہ رکھا تو اس کا ثواب سترّ روزوں کے برابر ہوگا، جتنی بھی فرض عبادتیں ہیں ان کا ثواب اس مہینے میں سترّ گنا بڑھ جاتا ہے، اس خطبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات تو یہ ارشاد فرمائی تھی۔

رمضان، ہمدردی کا مہینہ

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی تھی کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ''شہر المواسات'' ہے، یعنی ایک دوسری کی ہمدردی کا مہینہ ہے، ایک دوسرے کی غم

خواری کا مہینہ ہے، یعنی اس ماہ میں خصوصی طور پر مسلمانوں کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کریں، یوں تو ایک مسلمان کی خصوصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حالات میں بھی یہ بتائی ہے کہ:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ

کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں، نہ اپنی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچائے، نہ اپنے ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہنچائے، لہٰذا اگر تمہاری زبان سے یا ہاتھ سے دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پھر تم صحیح معنی میں مسلمان نہیں۔

صدقہ خیرات کے ذریعہ ہمدردی

ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَ لَا يُسْلِمُهٗ

کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اپنے دوسرے بھائی پر ظلم کرتا ہے، اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، بلکہ جہاں اس کو مدد کی ضرورت ہو وہاں اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا ایک مسلمان کا کام نہیں، تو عام دنوں میں بھی ہمدردی کا حکم دیا گیا ہے، لیکن رمضان المبارک کے بارے میں خاص طور پر فرمایا گیا ہے کہ یہ ''شہر المواسات'' ہے، اس میں دوسروں کے ساتھ جتنا زیادہ ہمدردی کا معاملہ کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائیں گے، یہ تمہارے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنے گا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس ماہ مبارک میں صدقہ خیرات جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور رمضان

المبارک کے انوار و برکات حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع ہے کہ اس میں صدقہ خیرات کیا جائے، اور صدقہ خیرات کے علاوہ اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے، اور ان کو ہدیہ و تحفہ دینا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دینا یہ اس مہینہ کا اہم عمل ہے، جو ''مواسات'' کا بہترین طریقہ ہے۔

رمضان میں ہواؤں کی طرح سخاوت

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت رمضان المبارک کے مہینہ میں ہواؤں سے زیادہ تیز ہو جاتی تھی، یوں تو ہر حال میں ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت کا معاملہ کرنے والے تھے، جو کچھ بھی آپ کے پاس آتا سب تقسیم فرما دیتے تھے، لیکن رمضان المبارک میں ہواؤں کی طرح سخاوت فرماتے تھے، یعنی اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں پر خرچ کرنے اور ان کو ہدیہ دینے کا خصوصی معمول تھا، بہرحال اس ماہ میں ہر عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے، اور ہمدردی اور مواسات کی جائے تو اس کا ثواب اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

رمضان زکاۃ نکالنے کا مہینہ

اس لئے لوگوں کا یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں زکاۃ نکالا کرتے ہیں، اس خیال سے نکالتے ہیں کہ اگر رمضان المبارک میں زکاۃ کا ایک روپیہ نکالیں گے تو اس کا ثواب ستر روپے کے برابر ہوگا، اگر سو روپے زکاۃ کے دیں گے تو سات ہزار روپے کا ثواب ملے گا، اب زکاۃ نکالنی تو ہوتی ہی ہے، تو لوگ رمضان المبارک کے مہینہ میں نکالتے ہیں، اس لئے کہ مشہور ہو گیا کہ رمضان

المبارک زکاۃ نکالنے کا بھی مہینہ ہے۔

زکاۃ کس پر فرض ہے؟

لیکن اس زکاۃ کے بارے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں، جو بڑی ضروری ہیں، اکثر و بیشتر لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا، پہلی بات یہ ہے کہ زکاۃ کس پر فرض ہے؟ اور کس پر فرض نہیں؟ یہ مسئلہ لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا ہے، بہت سے لوگوں پر زکاۃ فرض ہوتی ہے، لیکن وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم پر زکاۃ فرض ہی نہیں ہے، زکاۃ ہر اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی، یا اس کی قیمت کے برابر نقد روپے، یا اس کی قیمت کے برابر سونا، یا زیور، یا اس کی قیمت کے برابر سامان تجارت موجود ہو، اس کے ذمہ زکاۃ فرض ہے، آج کل ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تقریباً بائیس ہزار روپے بنتی ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس بائیس ہزار روپے نقد پڑے ہیں، جو روزمرہ کے کھانے کی ضرورت کے علاوہ ہیں، یا اتنی قیمت کا اس کے پاس سونے یا چاندی کا زیور ہے، یا اتنی قیمت کا اس کے پاس سامان تجارت ہے تو اس شخص پر زکاۃ فرض ہے، لہٰذا وہ شخص ڈھائی فیصد کے حساب سے زکاۃ ادا کرے گا۔

زکاۃ کی تاریخ کیا ہوگی؟

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ زکاۃ تو اس مال پر سال گزرنے پر فرض ہوتی ہے، لیکن اس بات کا مطلب لوگ نہیں سمجھتے، اس کا مطلب سمجھنے کی ضرورت ہے، زکاۃ دراصل اس تاریخ کو فرض ہوتی ہے جس تاریخ میں آپ کو صاحب نصاب بنے ہوئے سال پورا ہوا، صاحب نصاب بننے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی بار

جس دن، جس تاریخ کو آپ کی ملکیت میں بائیس ہزار روپے آئے، یا اتنی مالیت کا زیور سونا چاندی یا سامان تجارت آپ کی ملکیت میں آیا، وہ تاریخ آپ کی زکاۃ کی تاریخ ہوگئی، فرض کریں کہ بائیس ہزار روپے آپکی ملکیت میں رجب کی پہلی تاریخ کو آئے، تو اب یکم رجب آپ کی زکاۃ کی تاریخ متعین ہوگئی، اب اگلے سال جب یکم رجب کی تاریخ آئیگی تو اس تاریخ میں آپ پر زکاۃ نکالنا واجب ہوگا۔

ہر مال پر سال گزرنا ضروری نہیں

لیکن زکاۃ اس طرح واجب ہوگی کہ جب یکم رجب کی تاریخ آئے گی تو اس وقت آپ کی ملکیت میں جتنے پیسے ہوں گے، چاہے پچیس ہزار ہو چکے ہوں، چاہے تیس ہزار روپے ہو چکے ہوں، یا چالیس ہزار ہو چکے ہوں، جتنے بھی زیادہ ہوگئے ہوں، یکم رجب کو اس پوری رقم پر زکاۃ نکالنی واجب ہوگی، دوسرے الفاظ میں اس مسئلہ کو یوں سمجھ لیں کہ ہر ہر روپے پر اور ہر ہر آمدنی پر سال کا گزرنا واجب نہیں ہوتا، بلکہ جس تاریخ کو پہلی مرتبہ آپ صاحب نصاب بنے تھے، اس پر جب ایک سال گزر جائے، تو آپ پر زکاۃ واجب ہو جائے گی، اور اس تاریخ کو جتنے پیسے آپ کے پاس ہوں گے، ان سب پر زکاۃ واجب ہوگی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا سال تو یکم رجب کو پورا ہوا، لیکن یہ دس ہزار روپے تو ہمارے پاس دس دن پہلے آئے تھے، ان دس ہزار روپے پر تو ابھی سال بھی نہیں گزرا، لہٰذا ان پر زکاۃ واجب نہیں ہونی چاہئے، یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ سال کا گزرنا ''نصاب'' پر ہے، سال کے درمیان میں جو آرہے ہیں اور جو جارہے ہیں، کم ہو رہے ہیں یا زیادہ ہو رہے ہیں، اس کا

کچھ حساب نہیں، بس آخری جو تاریخ بنے گی، یعنی یکم رجب اس تاریخ میں جو کچھ بھی آپ کے پاس بیلنس ہوگا، اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔

زکاۃ کی ادائیگی کے لئے رمضان کا انتظار نہ کریں

تیسری بات یہ ہے کہ زکاۃ تو اس تاریخ کو فرض ہوئی جس تاریخ کو آپ صاحب نصاب بنے تھے، بعض اوقات لوگ یہ کرتے ہیں کہ اب مثلاً زکاۃ تو یکم رجب کو فرض ہوگئی، لیکن ابھی زکاۃ ادا نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ جب رمضان المبارک آئے گا اس وقت زکاۃ نکالیں گے، کیوں؟ اس لئے کہ رمضان المبارک میں زکاۃ نکالنے سے ستر گنا ثواب زیادہ ملے گا، ارے بھائی اگر آپ پر یکم رجب کو زکاۃ واجب ہوچکی ہے، اور ایک آدمی بے چارہ بھوکا ہے، اس کو تو فوری کھانے کی ضرورت ہے، اور تم رمضان کے انتظار میں بیٹھے ہو کہ جب رمضان آئے گا تو زکاۃ نکالیں گے، یہ بات سمجھ لیں کہ بیشک رمضان میں زکاۃ نکالنے سے ثواب زیادہ ہوگا، لیکن اس سے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ ایک مسلمان کی کوئی فوری ضرورت ہے، تو اس فوری ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ زکاۃ دیدیں گے، تو انشاء اللہ اس پر زیادہ ثواب ملنے کی توقع ہے، لہٰذا زکاۃ کی ادائیگی کے لئے رمضان کے انتظار میں بیٹھے رہنا یہ بھی کوئی ضروری نہیں، بلکہ اگر پہلے بھی ضرورت کا موقع سامنے آجائے تو رمضان سے پہلے زکاۃ دیدینا بہتر ہے۔

اب رمضان کی کوئی تاریخ زکاۃ کے لئے مقرر کرلیں

بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم پہلی مرتبہ کب صاحب نصاب بنے

تھے، جب معلوم نہیں ہوتا تو اس کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ اندازہ لگا کر اور سوچ کر جو دن بیٹھتا ہو، وہ دن مقرر کرلو، لیکن سوچنے کے بعد بھی کوئی دن یاد نہ آئے تو پھر رمضان کی کوئی تاریخ مقرر کرلو، مثلاً یکم رمضان کی تاریخ مقرر کرلو، یا ۲ر رمضان کی تاریخ مقرر کرلو، پھر مقرر کرنے کے بعد اس مقررہ تاریخ میں اپنا پورا حساب کرلو، حساب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی جتنی ملکیتیں قابل زکاۃ ہیں، ان کا حساب کرو کہ ان کی مالیت کتنی ہے، اور پھر یہ دیکھو کہ ہمارے ذمہ کتنی زکاۃ واجب ہوئی، جس طرح تاجر حضرات اپنی تجارت کی ''کلوزنگ'' کرتے ہیں، اور کلوزنگ کی ایک تاریخ مقرر کرتے ہیں، اور کلوزنگ کے وقت اپنے سارے سامان کا حساب کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کتنا مال اسٹاک میں ہے؟ کتنا مال نقد بیلنس کی شکل میں ہے؟ کتنا خام مال کی شکل میں ہے؟ کتنی رقم قابل وصول ہے؟ کتنی رقم قابل ادا ہے؟ کتنا ہمیں نفع ہوا، اور کتنا نقصان ہوا؟ اسی طرح زکاۃ کے لئے جو تاریخ آپ مقرر کریں، اسی تاریخ کو اپنی کلوزنگ کی تاریخ کرلیں، اس دن پھر زکاۃ کا حساب بھی کرلیں۔

زکاۃ تین قسم کے مالوں پر واجب ہے

اور زکاۃ تین قسم کے مالوں پر واجب ہوتی ہے، ایک نقد روپیہ، کیش، چاہے وہ اپنے گھر میں رکھا ہو، یا بنک میں رکھا ہو، دوسرے سامان تجارت، تیسرے زیور، چاہے وہ سونے کا ہو، یا چاندی کا ہو، اس زیور کی بازاری قیمت پر زکاۃ واجب ہوگی، اور سامان میں وہ سامان بھی شامل ہے جو بیچنے کے لئے تیار رکھا ہے، وہ سامان بھی شامل ہے جو خام مال کی شکل میں ہے، وہ سامان بھی داخل ہے جو ابھی

تیاری کے مراحل میں ہے، ان سب کی اسی حالت کی قیمت لگائی جائے گی، اور اگر کسی شخص نے کمپنیوں کے شیئرز خرید کر رکھے ہوئے ہیں، وہ بھی قابل زکاۃ مال میں داخل ہے، ان شیئرز کی موجودہ قیمت پر زکاۃ واجب ہوگی، مندرجہ بالا تمام اموال کی قیمت لگا کر ان کا ٹوٹل کرلیں، اور اگر آپ کے ذمہ کچھ قرضے ہیں تو ان قرضوں کو اس ٹوٹل سے منہا کرلیں، قرضوں کو منہا کرنے کے بعد جو باقی بچے اس کا چالیسواں حصہ یا ڈھائی فیصد بطور زکاۃ کے ادا کیا جائے گا، یہ ہے زکاۃ ادا کرنے کا سیدھا سادھا فارمولا، یہ حساب کتاب کرنا ہر مسلمان کے ذمہ اس خاص تاریخ میں ضروری ہے، جو زکاۃ کی تاریخ قرار پائی ہے۔

اندازہ سے زکاۃ دینا جائز نہیں

بہت سے مسلمان زکاۃ تو دیتے ہیں، اور عام طور پر رمضان المبارک میں دیتے ہیں، لیکن باقاعدہ حساب کتاب نہیں کرتے، بلکہ ویسے ہی اندازے سے دیدیتے ہیں کہ ہمارے ذمہ اتنی زکاۃ واجب ہوئی ہوگی، اور اندازہ کر کے زکاۃ ادا کردی، یاد رکھیے! یہ زکاۃ اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا فریضہ ہے، یہ محض اندازہ لگا کر اور اٹکل کے ذریعہ زکاۃ نہیں دینی چاہئے، بلکہ پورا حساب کر کے زکاۃ دینی چاہئے، بعض یہ کہتے ہیں کہ ہم حساب تو نہیں کرتے، لیکن احتیاطاً اندازہ سے زیادہ زکاۃ نکال دیتے ہیں، ارے بھائی! تم زیادہ کیسے دیتے ہو؟ جب حساب ہی نہیں کیا، تو کیا پتہ کہ کم زکاۃ دی، یا زیادہ دی۔ یاد رکھیے! جتنی زکاۃ واجب ہوئی تھی، اس سے اگر ایک روپیہ بھی کم دیدیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک روپیہ جو زکاۃ کا واجب تھا،

تمہارے مال کے اندر شامل ہوگیا، اور حدیث شریف میں ہے کہ:

مَا خَالَطَتِ الزَّکوٰۃُ مَالًا اِلَّا اَھْلَکَتْہُ

جس مال میں زکاۃ جاملتی ہے، وہ اس مال کو ہلاک کر دیتی ہے، یعنی اگر کسی پر زکاۃ واجب ہوئی، اور اس نے زکاۃ نہیں دی، ایک روپیہ بھی کم دیا تو یہ زکاۃ کا ایک روپیہ اس مال کو ہلاک کر دے گا، یا اس آدمی کو ہلاک کر دے گا جس نے زکاۃ میں کمی کر دی، لہٰذا بہت اہتمام کے ساتھ، اچھی طرح حساب کتاب کر کے اس کا ٹوٹل نکال کر پوری احتیاط کے ساتھ زکاۃ کی ادائیگی کرنی چاہیے۔

زکاۃ کی تفصیل کے لئے رسالہ دیکھئے

یہ زکاۃ کے مسائل میں نے اس لئے عرض کر دیے کہ چونکہ آج کل رمضان کا مہینہ چل رہا ہے، تاکہ ہر مسلمان اہتمام کر کے ان اصولوں کے تحت زکاۃ ادا کریں، تفصیل کے لئے دیکھنا ہو تو میرا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے ''زکاۃ کس طرح ادا کریں؟'' اس کے اندر تفصیل سے بیان کر دیا ہے، اسی طرح میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی دامت برکاتہم کا ایک چھوٹا سا رسالہ ''احکام زکاۃ'' کے نام سے ہے، اس کے اندر بھی تفصیل موجود ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ زکاۃ کے مسائل کو سمجھے، اللہ تعالیٰ نے یہ بہت عظیم عبادت مقرر فرمائی ہے۔

زکاۃ غریبوں کا حق ہے

اور یہ مت سمجھنا کہ ہم جو زکاۃ ادا کرتے ہیں، یہ ہم غریبوں پر اور ضرورت مندوں پر احسان کرتے ہیں، ارے یہ احسان نہیں، بلکہ یہ تو ان غریبوں کا حق ہے،

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ (الذّٰریٰت : ۱۹)

ایک مسلمان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے، یہ نہیں کہ تم نے کسی کو زکاۃ دی تو تم نے اس پر احسان کر دیا، اور اس کو زیر بار احسان رکھ رہے ہو، ایسا نہیں، دیکھو جو مال تمہارے پاس ہے، وہ کس کا دیا ہوا ہے، جس کا دیا ہوا ہے، اسی ذات نے تم پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ تمہارے مال میں اتنا حصہ تمہارا نہیں، بلکہ یہ حصہ ان لوگوں کا ہے جن کے بارے میں ہم کہہ رہے ہیں کہ ''انما الصدقات للفقراء والمساکین'' یہ حصہ ان کا حق ہے، اگر نہیں دو گے تو یہ ایسا ہے جیسا تم نے کسی کا قرض واپس نہیں دیا، یا جیسے تم نے چوری کر لی، لہٰذا زکاۃ کی ادائیگی میں احسان کا کوئی پہلو نہیں ہے، بلکہ ان غریبوں کا تمہارے مال میں حق ہے، جو ان کو ادا کرنا ہے، لہٰذا اہتمام کے ساتھ زکاۃ کو مستحقین تک عزت کے ساتھ پہنچانا چاہیے، یہ نہیں کہ اس کو اس طرح زکاۃ دیں جس کو وہ اپنی ذلت سمجھے، یا اس کی خودداری کو ٹھیس پہنچے۔

زکاۃ کو تحفہ اور ہدیہ کہہ کر دینا

اسی وجہ سے یہ مسئلہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب کسی کو زکاۃ دو تو زکاۃ کا لفظ استعمال کرنا کوئی ضروری نہیں، کہ میں تمہیں زکاۃ دے رہا ہوں، بلکہ ہدیہ کہہ دو، تحفہ کہہ دو کہ بھائی تمہارے لئے یہ تھوڑا سا ہدیہ ہے، تاکہ کسی کی عزت نفس پر کوئی آنچ نہ آئے، اس کا نفس مجروح نہ ہو۔

رشتہ داروں کو زکاۃ دینے میں دوہرا ثواب

اور قریبی رشتہ داروں کو زکاۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے، صرف دو رشتہ

داریاں ایسی ہیں جن میں زکاۃ نہیں دی جاسکتی، ایک یہ کہ شوہر بیوی کو زکاۃ نہیں دے سکتا، بیوی شوہر کو نہیں دے سکتی، اور دوسرے یہ کہ ماں باپ اپنی اولاد کو زکاۃ نہیں دے سکتا، اور اولاد اپنے ماں باپ کو زکاۃ نہیں دے سکتی، باقی تمام رشتہ داروں کو اگر وہ مستحق زکاۃ ہوں تو ان کو زکاۃ دی جاسکتی ہے، لہٰذا بھائی کو، بہن کو، ماموں کو، چچا کو، خالہ کو، پھوپھی کو وغیرہ سب کو زکاۃ دی جاسکتی ہے، بلکہ ان رشتہ داروں کو زکاۃ دینے میں دوھرا ثواب ہے، زکاۃ ادا کرنے کا ثواب بھی، صلہ رحمی کرنے کا ثواب بھی، بہر حال! ان تمام مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے زکاۃ ادا کرنے کی کوشش کریں۔

زمین، مکان، جائیداد پر زکاۃ

ایک صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ مکان، زمین یا جائیداد اور بلڈنگ وغیرہ پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ جو مکان یا زمین یا جائیداد بیچنے کے ارادے سے خریدی ہو، اس کی مالیت پر زکاۃ واجب ہے، لیکن اگر کوئی مکان یا زمین اپنی رہائش کے لئے ہو، یا کرائے پر دینے کے لئے خریدا ہو، تو پھر اس کی مالیت پر زکاۃ واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہمیں صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک طریقے سے اپنی مرضی کے مطابق اس فریضہ کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

موجودہ حالات

اور ہماری ذمہ داری

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	10th-Aug-2008
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

موجودہ حالات

اور ہماری ذمہ داری

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِیۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡهِ، وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ یَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَاَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِیۡكَ لَهٗ، وَاَشۡهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ، صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا، اَمَّا بَعۡدُ:

تمہید

آج ایک عرصۂ دراز کے بعد اس مجلس میں آپ حضرات سے ملاقات کا موقع مل رہا ہے، درمیان میں کچھ سفر پیش آئے، کچھ عوارض بھی لاحق ہوئے، جس کی وجہ سے یہ مجلس نہیں ہوسکی۔ آج اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یہ توفیق عطا فرمائی، چونکہ یہ سال کا آغاز ہے، اس لیے اتنی بات ابتدا ہی میں عرض کردوں کہ

اس مجلس کا مقصد نہ کوئی تقریر کرنا ہے، نہ کوئی وعظ اور رسمی بیان کرنا ہے، بلکہ اس مجلس کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم سب ایک ساتھ بیٹھ کر کچھ اپنی اِصلاح کی فکر کریں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب اللہ کے بندے سچائی اور اِخلاص کے ساتھ اس کام کے لیے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مقصد میں ہمیں کامیابی عطا فرمائے، آمین۔

آج کے پُرآشوب حالات

اتفاق سے آج کل جس قسم کے حالات چل رہے ہیں، وہ بڑے پُرآشوب ہیں، اور شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جس کے دِل میں ان حالات کی وجہ سے پریشانی نہ ہو، صدمہ نہ ہو، سب ہی ان حالات سے بے چین اور پریشان ہیں، اور ہرایک کی زبان پر یہ سوال ہے کہ کیا ہونے والا ہے؟ کیا ہوگا؟ ملک بھر میں جہاں کسی مجلس میں دو چار آدمی بیٹھتے ہیں تو اسی کا تذکرہ ہوتا ہے، جو مختلف خبریں آتی رہتی ہیں، ان کا تذکرہ ہوتا ہے، اوران پر تبصرہ ہوتا ہے، اوران کے اسباب پر گفتگو ہوتی ہے، ہرایک اپنی رائے اور قیاسات بیان کرتا ہے، اور مجلسیں ان تذکروں اور تبصروں سے بھری ہوئی ہیں، اور ایک مایوسی کی سی فضا اور نا اُمیدی کی سی فضا پائی جارہی ہے، ہرشخص کی زبان پر یہ باتیں آتی رہتی ہیں کہ نہ ہماری جان محفوظ ہے، نہ مال محفوظ ہے، نہ آبرو محفوظ ہے، قدم قدم پر خطرات کا سامنا ہے، ملک کا نظام درہم برہم ہے، کوئی شخص کوئی کام کرانا چاہتا ہے تو اس کا کام نہیں ہوتا، ظالم قسم کے حکام مسلط ہیں، لوگوں کے حقوق پامال ہورہے ہیں، رِشوت ستانی کا بازار گرم ہے،

کرپشن پھیلا ہوا ہے، اُوپر سے لے کر نیچے تک ہر ایک نے حرام کھانے کے لیے اپنا منہ کھولا ہوا ہے، غرضیکہ جس طرف دیکھو ایک پریشان کُن صورت نظر آتی ہے۔

ہمارے دِین نے کیا سکھایا؟

سوال یہ ہے کہ کیا تبصروں اور ان تذکروں سے، ان باتوں سے اس صورتِ حال کا علاج ہو جائے گا؟ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے موقع پر ہمارے دِین نے ہمیں کیا سکھایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں ایسے دِین سے وابستہ فرمایا ہے، جس نے ہر قسم کی صورتِ حال میں ہمیں راہِ عمل بتائی ہے، یہ ایسا دِین نہیں ہے جو توہماتی قسم کا ہو، اور جس کی اصل کوئی حقیقت نہ ہو، بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دِیا ہوا دِین ہے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دِین ہے اور اس باری تعالیٰ کا دِیا ہوا دِین ہے۔

ان حالات کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے

اور قیامت تک آنے والے سارے حالات اس کے علم میں ہیں، سارے حالات کی جزئیات اس کے علم میں ہیں، اور اپنے بندوں کے بارے میں اس کو خوب علم ہے کہ میرے بندے کتنے پانی میں ہیں:

"وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ" (آل عمران:۵۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے۔ اور سورۂ ملک میں اللہ تعالیٰ نے کیسے پیارے انداز میں فرمایا:

"اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ" (سورۃ الملک:۱۴)

ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ میں اس آیت کا کیا خوبصورت ترجمہ کیا، فرمایا کہ ارے جس نے پیدا کیا وہی نہ جانے؟ یعنی جس نے سارے اِنسانوں کو اور ساری مخلوق کو جس نے پیدا کیا ہے، وہی نہ جانے کہ میری مخلوق کس حال میں ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی نفسیات کیا ہیں؟ اس کے خیالات کیا ہیں؟ اس کے جذبات کیا ہیں؟ جبکہ وہ بڑی لطیف اور بڑی باخبر ذات ہے۔

ہر حالت کے لیے راستہ موجود ہے

یہ کتنی عجیب بات ہوگی اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے واقف نہیں ہے، باخبر نہیں ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے، وہی نہ جانے کہ میرے بندے کس حال میں ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں ایسا دِین عطا فرمایا جو کوئی مصنوعی دِین نہیں ہے کہ جس کو جھوٹ موٹ گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا دِین ہے، جس میں ہر قسم کے حالات کے متعلق ہدایات موجود ہیں، کوئی توجہ نہ دے، کوئی دھیان نہ دے، یا کسی کو اِصلاح کی فکر ہی نہ ہو، اور ہمیشہ اندھیروں میں بھٹکنا ہی پسند کرے تو اس کا تو کوئی علاج نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر حالت کے لیے راستہ صاف کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مایوس ہونا گمراہی ہے

یہاں چند باتیں ہیں جو سمجھنے کی ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ اس قسم کے حالات میں دِلوں پر جو مایوسی چھانے لگتی ہے کہ پتہ نہیں آئندہ کیا ہوگا؟ اُمید کی اور روشنی کی

کوئی کرن نظر نہیں آتی، اور اس کے نتیجے میں انسان مایوسی کے گڑھے میں گرنے لگتا ہے، سب سے پہلے تو اس مایوسی کو دُور کرنے کی ضرورت ہے، اور چونکہ یہ مایوسی ایک گمراہی ہے، اس لیے کہ جس کا ''اللہ'' ہو، جو رحمٰن اور رحیم ہے، وہ کیسے مایوس ہوسکتا ہے؟ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ'' (سورۃ الزمر:۳۵)

اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم اور زیادتی کی ہوئی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اتنے صاف صاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا۔

یہ دُنیا ہے، جنت نہیں

لہٰذا سب سے پہلے تو اپنے دِلوں سے اس گمراہی کو دُور کرنا چاہیے جو اِنسان کو مایوسی کی طرف لے جاتی ہے، ارے یہ دُنیا ہے، کوئی جنت نہیں، جنت اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی جگہ بنائی ہے، جہاں کوئی غم نہیں، کوئی صدمہ نہیں، کوئی تکلیف نہیں، راحت و آرام کے خلاف کوئی کام نہیں، اگر اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں اور ہم وہاں پہنچ جائیں تو اِن شاء اللہ وہاں کوئی غم، کوئی صدمہ، کوئی فکر، کوئی تکلیف نہیں ہوگی، لیکن یہ دُنیا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اس میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، اس میں خوشی بھی آتی ہے، غم بھی آتا ہے، اس میں راحت بھی آتی ہے، تکلیف بھی آتی ہے، اس میں اِنسان کو صدمے بھی آتے ہیں، اور فرحت بھی حاصل ہوتی

ہے، یہ دُھوپ چھاؤں کی دُنیا ہے، کبھی دن ہے، کبھی رات ہے، کبھی گرمی ہے، کبھی سردی ہے، کبھی اُجالا ہے، کبھی اندھیرا ہے، اس دُنیا کو کسی ایک حالت پر قرار نہیں ہے، بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبروں کو دیکھئے، انہوں نے اپنی زندگیاں راحت اورآرام ہی میں نہیں گزار دیں، بلکہ ان پر بھی آزمائشیں آئیں، ان کو بھی قربانیاں دینی پڑیں، انہیں بھی تکلیفیں اُٹھانا پڑیں، انہیں بھی اذیتیں سہنی پڑیں، انہیں ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض انبیاء علیہم السلام کو آروں سے چیر دِیا گیا، بعض انبیاء کو قتل و غارت گری کا سامنا کرنا پڑا، جب پیغمبروں کو جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتے ہیں، ان کے ساتھ بھی آزمائشیں ہوتی ہیں، ان کے ساتھ بھی تکلیفیں ہوتی ہیں، تو ہم آپ کس شمار وقطار میں ہیں۔

تکالیف باقی رہنے والی نہیں

لہٰذا تکلیفیں تو آئیں گی، کبھی کسی شکل میں آئیں گی، کبھی کسی شکل میں آئیں گی، اگر دُنیا میں انسان کو کوئی تکلیف نہ آئے، آزمائش نہ آئے، صدمہ نہ آئے تو پھر دُنیا کیا ہوئی، وہ تو جنت ہوگئی۔ لہٰذا دُنیا میں تکلیفیں تو ضرور آئیں گی، لیکن دُنیا میں جس طرح صدمے آتے ہیں، اسی طرح خوشیاں بھی آتی ہیں، جس طرح تکلیفیں آتی ہیں، اسی طرح راحتیں بھی آتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، کیسے کیسے حالات دُنیا میں انسان پر آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں، روزانہ اللہ تعالیٰ اس کا مشاہدہ کراتے ہیں، رات آتی ہے، سورج غروب ہوجاتا ہے، پورے ملک پر اندھیرا چھا جاتا ہے، لیکن وہ تاریکی ہمیشہ قائم نہیں رہتی، بلکہ رات کے گزرنے پر تاریکی بھی

چلی جاتی ہے، صبحِ صادق کے وقت پو پھٹتی ہے، پھر روشنی پھیل جاتی ہے، اور سورج نکل آتا ہے، دُھوپ پھیل جاتی ہے، اور اُجالا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ اس کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔

کوئی سورج نکلنے والا ہے

لہٰذا اگر ابھی مصیبتوں کا، تکلیفوں کا، اذیتوں کا، پریشانیوں کا اندھیرا چھایا ہوا ہے تو یہ اندھیرا ہمیشہ کے لیے نہیں ہے، اِنشاء اللہ یہ اندھیرا ضرور زائل ہوگا، پھر سے اُجالا آئے گا، پھر سے نور پھیلے گا، پھر سے اللہ تعالیٰ نور عطا فرمائیں گے، اِن شاء اللہ ضرور ہوگا۔ مسلمانوں کی تاریخ اُٹھا کر دیکھیں، وہ تاریخ بھی اسی دُھوپ چھاؤں سے عبارت ہے، ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کا غلبہ تھا، وہ فاتح بنے ہوئے تھے، آدھی سے زیادہ دُنیا پر ان کی حکومت تھی، آدھی دُنیا پر ان کا پرچم لہرا رہا تھا، مسلمانوں کا طوطی بول رہا تھا، مسلمانوں کا سکہ چل رہا تھا، ایک عرصے تک مسلمان حکومت کرتے رہے، لیکن سورج کے غروب ہونے سے دن بھی تاریکی میں چلا جاتا ہے، اور غلبہ دُوسروں کو حاصل ہو جاتا ہے، اور مسلمان مقہور اور مظلوم ہو جاتے ہیں، پریشانیوں کا اور مصائب اور آلام کا شکار ہو جاتے ہیں، پھر یہ حالت بھی ہمیشہ قائم نہیں رہتی، پھر دُوسرا اِنقلاب آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ پھر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیتے ہیں، ساری تاریخ اس کی گواہ ہے، لہٰذا آج اگر مسلمانوں پر پریشانیاں ہیں، تکلیفیں ہیں، دُکھ ہیں، مصائب و آلام ہیں تو اس میں مایوس ہونے کی بات نہیں، کسی شاعر نے کہا اور بڑی اچھی بات کہی ہے کہ ؎

ظلمتوں کا جو بول بالا ہے
کوئی سورج نکلنے والا ہے

یہ تاریکیاں خود خبر دے رہی ہیں کہ ایک سورج نکلے گا، اور پھر اس سے نور پھیلے گا اِنشاء اللہ، اور اس سے روشنی آئے گی۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ مایوسی کو دِل میں جگہ نہ دو، اور یہ مت سمجھو کہ جو حالت اس وقت ہے یہ حالت ہمیشہ رہے گی، اِن شاءاللہ ضرور زائل ہوگی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید رکھو۔

پریشانیوں کا سبب، ہمارے اعمال

دوسری بات یہ ہے کہ انسانوں کو جو پریشانیاں پیش آتی ہیں، اس کے بارے میں قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَيْدِيکُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ کَثِيْرٍ" (سورۃ الشوریٰ:۳۰)

یعنی جو مصیبتیں تمہیں پیش آتی ہیں، وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پیش آتی ہیں، اور بہت سی باتوں کو تو اللہ تعالیٰ درگزر کرتے ہی رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم تو صبح سے لے کر شام تک نہ جانے کتنی خطاؤں میں، کتنے گناہوں میں، کتنی معصیتوں میں، کتنی نافرمانیوں میں مبتلا رہتے ہو، اور اللہ تعالیٰ بار بار درگزر کرتے رہتے ہیں کہ چلو یہ اِنسان ہے، غلطی ہوگئی ہے، درگزر کردیا، پھر غلطی ہوگئی، پھر درگزر کردیا، لہٰذا اکثر تو درگزر ہی کرتے رہتے ہیں، ورنہ اگر اللہ تعالیٰ پکڑنے پر آجائیں، جیسا کہ دُوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ" (سورة فاطر:٤٥)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کی ہر بدعملی پر پکڑنے لگیں کہ جو غلطی ہو، اس پر پکڑ لیں تو اس زمین پر کوئی چلنے والا زندہ نہ رہے۔ لیکن اکثر باتوں کو تو اللہ تعالیٰ درگزر کرتے رہتے ہیں۔ البتہ جب کوئی بات، کوئی نافرمانی، کوئی بدعملی حد سے گزرنے لگتی ہے تو پھر ہم پکڑتے ہیں، اور پھر اس کا نتیجہ مصائب کی، پریشانیوں اور آلام کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

ہر عمل کا ردعمل، ایکشن اور ری ایکشن

ایک مرتبہ اگر ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ درحقیقت ہمارے ہی اعمال کا، ہمارے ہی کرتوت کا نتیجہ ہے، جیسا کہ ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دُنیا عمل اور رَدِّعمل کی دُنیا بنائی ہے، یعنی جب کوئی عمل ہوتا ہے تو اس کا رَدِّعمل بھی ہوتا ہے، اگر یہ بات ہمارے ذہن میں بیٹھ جائے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہو رہا ہے، تو آدمی کے اندر نہ تو مایوسی پیدا ہو، نہ آدمی غلط راستے پر پڑے۔

ہر دو واقعات میں ربط اور جوڑ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو واقعات پیش آئے، اور بظاہر ان دونوں کے درمیان کوئی جوڑ اور کوئی ربط نظر نہیں آتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت

کے تحت ان کے درمیان ربط اور جوڑ ہوتا ہے، مثلاً فرض کریں کہ اگر کوئی جھوٹ بول رہا ہے، یا کوئی اور گناہ کر رہا ہے، یا کوئی غیبت کر رہا ہے تو اس کا اس بدامنی اور خانہ جنگی سے کیا تعلق ہے؟ اب بظاہر تو جوڑ نظر نہیں آرہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز میں جوڑ ہے، ہر چیز میں ربط اور تعلق ہے، دیکھنے میں اگرچہ جوڑ اور تعلق اور ربط نظر نہیں آتا، لیکن تعلق موجود ہے، اچھائی کا بھی یہی حال ہے، اور بُرائی کا بھی یہی حال ہے۔

نماز اور سیاسی فتح میں جوڑ

مثلاً آپ نماز پڑھ رہے ہیں، اب نماز پڑھنے کا کسی سیاسی فتح سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا، اس لیے کہ نماز تو آدمی اپنی ذاتی اِصلاح کے لیے پڑھتا ہے، لیکن اس نماز پڑھنے کے نتیجے میں کوئی قلعہ فتح ہوجائے گا، یا کوئی ملک فتح ہوجائے گا، اس نماز اور ملک کے فتح میں بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آتا لیکن ان کے درمیان تعلق موجود ہے۔

چٹان توڑنے پر قیصر و کسریٰ کے محلات کی خوشخبری

غزوۂ خندق کے موقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں، سختی کا عالم ہے، دُشمن کا خوف مسلط ہے، خندق کھودنے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہیں۔ خندق کھودنے کے دوران ایک چٹان آگئی، صحابہ کرامؓ نے پوری کوشش کرلی کہ کسی طرح اس چٹان کو توڑ دیں، لیکن وہ چٹان کسی طرح ٹوٹتی نہیں تھی، بالآخر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ چٹان نہیں ٹوٹ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے

دِکھاؤ، وہ کہاں ہے؟ آپ وہاں تشریف لے گئے، اور کدال سے اس چٹان پر ضرب ماری تو تین ضرب میں وہ چٹان ٹوٹ گئی، روایت میں آتا ہے کہ جب آپ نے کدال پہلی مرتبہ ماری تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیصرِ رُوم کے محلات دِکھائے گئے، اور بشارت دی گئی کہ رُوم کے یہ محلات بھی آپ کے زیرِ نگیں آنے والے ہیں، آپ ان کو فتح کریں گے۔ جب دُوسری مرتبہ ماری تو آپ کو کسریٰ کے محلات دِکھلائے گئے، اور جب تیسری مرتبہ ماری تو صنعاء یمن کے محلات دِکھلائے گئے۔ جب منافقین تک یہ بات پہنچی تو کہنے لگے کہ یہ عجیب مسخرے لوگ ہیں کہ ان کی حالت تو یہ ہے کہ پیٹ پر پتھر بندھے ہیں، فاقوں کی نوبت آرہی ہے، کھانے کو میسر نہیں ہے، دُشمن کے مقابلے کے لیے خندق کھود رہے ہیں، اور خواب دیکھ رہے ہیں قیصر و کسریٰ کے محلات فتح کرنے کا۔ یہ مذاق اُڑا رہے تھے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ:

"مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا" (سورۃ الأحزاب:۱۲)

پھر اللہ تعالیٰ نے اسی واقعے کو سچا کر دِکھایا کہ قیصر کے محلات بھی، اور کسریٰ کے محلات اور صنعاء یمن کے محلات بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔

کدال چلانے کا فتحِ محلات سے جوڑ اور تعلق

اس پر ایک بزرگ نے فرمایا کہ کدال تو یہاں خندق پر چلائی جارہی تھی، اور محلات قیصر و کسریٰ کے دِکھائے جارہے تھے، اب بظاہر تو اس کدال کا قصیر و کسریٰ کے محلات سے کوئی جوڑ اور تعلق نہیں تھا، لیکن حقیقت میں جوڑ تھا۔ وہ اس طرح کہ

جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی دی جائے گی، اس کی راہ میں صدق و اِخلاص کے ساتھ مشقت اُٹھائی جائے گی، تو اللہ تعالیٰ دُوسری فتوحات کا راستہ بھی کھول دیں گے۔ حقیقت میں یہ جوڑ تھا۔

حکام کو گالیاں مت دو

لہٰذا جتنے بھی حالات پیدا ہو رہے ہیں، چاہے وہ ظالم حکمران ہوں، یا فاسق حکومت ہو، یا ظلم و ستم ہو، جبر و تشدّد ہو، قتل و قتال ہو، یا کوئی اور مصیبت ہو، ان ساری مصیبتوں کا جوڑ ہمارے اعمال سے لگتا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے حکام کو گالیاں مت دو، ان کو بُرا مت کہو، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرو، اس لیے کہ تمام حکام کے دِل اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اگر تم اللہ تعالیٰ کو راضی کر دو گے تو اللہ تعالیٰ حکام کے دِلوں کو تمہارے لیے نرم کر دیں گے، اس لیے کوئی بھی مصیبت ہو، کوئی بھی آفت ہو، کوئی بھی تکلیف ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کر کے اپنی بداعمالیوں سے توبہ و اِستغفار کریں۔

نماز اور مشکلات دُور ہونے میں جوڑ

حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی آپ کو کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تو آپ جلدی سے نماز کی طرف دوڑتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتے تھے، اب بظاہر تو اس مشکل کا نماز سے کوئی جوڑ نظر نہیں آ رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس تکلیف اور مصیبت کو دُور فرما دیتے ہیں۔

اپنا جائزہ لے کر اِصلاح شروع کر دیں

بہر حال اس دُوسری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت ساری صورتِ حال کی ذمہ داری ہماری بدا عمالیوں پر ہے، اس کا ہمیں اِحساس اور اِدراک ہونا چاہیے، اس کا ہمارے اندر شعور پیدا ہونا چاہیے کہ یہ سب ہماری بدا عمالیوں کا نتیجہ ہے۔ ویسے کہنے کو تو زبان سے ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے، لیکن دِل میں یہ بات اُتری ہوئی نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کہنے کے بعد ہم نے اپنے اعمال کا جائزہ لے کر بھی دیکھا؟ کیا اپنے اعمال میں کوئی تبدیلی لانے کی کوشش کی؟ کیا ہم نے کسی بُرائی کے چھوڑنے کا اِرادہ کیا؟ اگر نہیں کیا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ صرف الفاظ ہی الفاظ ہیں، اس کے پیچھے حقیقت اور مقصد کچھ نہیں، اور یہ سب کھوکھلے الفاظ ہیں، جو ہم زبان سے ادا کر رہے ہیں، کیونکہ اگر یہ سب کچھ ہماری بدا عمالیوں کا نتیجہ ہے تو پھر اس کا کچھ علاج تو تلاش کرو، کچھ اپنا جائزہ لو کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کہاں کہاں غلطیاں کر رہا ہوں؟ اس کو دُرست کرنے کی کچھ فکر تو کرو، اگر نہیں کر رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سب محض زبانی جمع خرچ ہے، اس کے پیچھے حقیقت کچھ نہیں۔

تبصرہ کرنے کے بجائے اللہ کی طرف رُجوع اور توبہ واِستغفار کرو

تیسری بات جو اس دُوسری بات سے نکلتی ہے، وہ یہ کہ اس صورتِ حال میں تبصروں سے مجلسیں گرم کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرنے کا اہتمام کرو۔ ایک مرتبہ اس سے پہلے بھی ملک کے حالات بہت خراب ہو گئے تھے، لوگوں

کے دِل ٹوٹے ہوئے تھے، اور اسی طرح کی مایوسی کا لوگوں کے اندر دور دورہ تھا، جہاں بیٹھو، وہاں یہی تذکرے تھے کہ یہ واقعہ کیا ہوا؟ کس طرح ہوا؟ کیا اسباب تھے؟ کس نے غلط معاملہ کیا؟ یہی تبصرے ہر جگہ ہو رہے تھے، ایک مجلس میں ہم بھی بیٹھے ہوئے تھے، اور انہی باتوں کا تذکرہ ہو رہا تھا، جب تبصرے سے فارغ ہوئے تو ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیوں بھائی! اس واقعے پر تبصرے خوب کرلیے؟ اس واقعے کے اسباب سمجھ میں آگئے؟ اس کا کوئی حل نکال لیا؟ اب ظاہر ہے کہ اس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں تھا، کیونکہ اس تبصرے کا کچھ حاصل نہیں تھا، بلکہ صرف اپنے غم و غصّے کا اِظہار ہوگیا، اور وقت گزاری ہوگئی، اور کچھ مجلس گرم ہوگئی، اور کچھ حاصل نہیں۔ پھر حضرتِ والاؒ نے فرمایا: ارے جتنی دیر تک تم نے بیٹھ کر تبصرہ کیا، اگر اتنی دیر اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرلیا ہوتا، اللہ تعالیٰ سے فریاد کرلی ہوتی، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی ہوتی، توبہ و اِستغفار کرلیا ہوتا تو کچھ فائدہ بھی ہوتا، ان نرے تبصروں سے کیا حاصل؟ کچھ حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا ان تبصروں کو چھوڑ کر اس کی طرف رُجوع کرو، توبہ کرو، اِستغفار کرو۔

کثرتِ اِستغفار کے نتیجے میں نعمتوں کی بارش

قرآنِ کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا" (سورۃ نوح: ۱۰ تا ۲۱)

ارے تم اپنے پروردگار سے اِستغفار کرو، تو وہ تمہارے اُوپر آسمان کو رحمت کی بارش برسانے کے لیے چھوڑ دے گا، اور مال اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے لیے باغات اور نہریں پیدا کر دے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرو، توبہ اور اِستغفار کرو۔

اپنی بدعملی کی طرف دھیان کرو

لہٰذا یہ پہلی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مایوسی کو ختم کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کبھی بھی کسی حال میں بھی مسلمان کے لیے مایوسی زیبا نہیں۔ اور دُوسری بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص یہی سمجھے کہ میری بداَعمالی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، کیونکہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری بداَعمالیوں کا نتیجہ ہے، تو اس وقت دُوسروں کی طرف ذہن جاتا ہے کہ میری نہیں بلکہ دُوسرے لوگ چونکہ ایسی بداَعمالیاں کر رہے ہیں، لہٰذا اس کے نتیجے میں یہ عذاب ہم پر آگیا ہے۔ اپنی بدعملی کا خیال نہیں آتا کہ میں بھی کسی بدعملی کے اندر مبتلا ہوں، میں بھی کسی غلطی کے اندر مبتلا ہوں، لہٰذا اپنی بدعملی کا اِستحضار کرو، اور اس کو چھوڑنے کی فکر کرو۔

میری وجہ سے یہ قحط پڑا ہے

حضرت ذُوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے علاقے میں قحط پڑ گیا، اور

بارش نہیں ہو رہی تھی۔ لوگ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ حضرت! قحط پڑا ہوا ہے، بارش نہیں ہو رہی ہے، لوگ پریشان ہیں، آپ دُعا فرمادیں کہ بارش ہو جائے۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دُعا تو میں کروں گا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ سب وبال میری وجہ سے ہے اور میرے گناہوں کی وجہ سے آیا ہے، اس لیے میں ایسا کرتا ہوں کہ میں اس بستی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہوں تو شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بارش بھیج دے، کیونکہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے گناہ دراصل اس قحط کا سبب ہیں۔

ہر شخص توبہ اِستغفار میں لگ جائے

آج ہمارا معاملہ اُلٹا ہے، آج ہم یہ تو کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہماری بداَعمالیوں کی وجہ سے ہے، یہ سب ہماری شامتِ اعمال ہے، لیکن ذہن میں آتا ہے کہ دُوسرے لوگ جو غلط کام کر رہے ہیں، ان کی وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے۔ اپنا خیال نہیں آتا کہ میں کیا غلطی کر رہا ہوں، میں کیا گناہ کر رہا ہوں، اور جب ہر شخص یہ سمجھے گا کہ یہ سب خرابیاں، یہ سب فسادات میرے گناہوں کی وجہ سے اور میری بدعملی کی وجہ سے ہو رہے ہیں تو وہ پھر اِستغفار اور توبہ کی کثرت بھی کرے گا، لہٰذا ہر شخص توبہ اور اِستغفار کی کثرت کرے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، جب بھی ان پریشانیوں کا خیال آئے تو فوراً کہیے:

"اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ"

حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کُلُّکُم خطّائُونَ، وَخَیرُ الخطّائِینَ التَّوّابُونَ“

تم سب بڑے خطا کار ہو، اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ لہٰذا توبہ و اِستغفار کی کثرت کو اپنا مشغلہ بنائیں۔ جتنی دیر تک آپ موجودہ حالات پر بلاوجہ تبصرہ اور گفتگو کر رہے ہیں، اتنا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کر کے توبہ و اِستغفار میں صَرف کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ آمین

ان الفاظ سے فریاد کرو

اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں کہ: ”رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا“ اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کر لیا ہے۔ اور یہ کہو:

”رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ“

”اے اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر بہت ظلم کیا ہے، اگر آپ نے مغفرت نہ فرمائی، اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم بڑے خسارے میں ہو جائیں گے۔“ اور یہ کہو کہ:

”یا اللہ! یہ حالات ہم سے برداشت نہیں ہو رہے ہیں، یہ پریشانیاں مسلط ہیں، اور یہ سب کچھ ہماری جن بداَعمالیوں کی وجہ سے ہے، اے اللہ! ان بداَعمالیوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف بھی فرما دے، اور ان کی اِصلاح کی بھی توفیق عطا فرما“ یہ کہو۔ اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرو، اگر پوری قوم سچے دِل سے یہ کام کر لے تو میں اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر سو فیصد یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ پھر ہمارے

حالات بدل جائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب کیوں ٹل گیا؟

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو دیکھئے! ساری نافرمانیاں کی، اللہ کے رسول کو جھٹلایا، کفر کیا، یہاں تک کہ پیغمبر یہ کہہ کر بستی چھوڑ کر چلے گئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نتیجے میں تم لوگوں پر اللہ کا عذاب آ کر رہے گا۔ لیکن جب بستی پر عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو اس وقت قوم کے کان کھڑے ہوئے کہ یونس علیہ السلام جو کہہ رہے تھے، وہ بالکل سچ بات تھی، یہ تو واقعی عذاب کے آثار نظر آنے لگے ہیں، اب تو یہ عذاب مسلط ہو جائے گا۔ اس وقت ساری قوم نے مل کر اِجتماعی توبہ کی، اور سب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر روئے، گڑگڑائے کہ اے اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور ہم نے پیغمبر کی تکذیب کی، اے اللہ! ہم توبہ و اِستغفار کرتے ہیں، اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے اس عذاب کو دُور فرما دیجیے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب ان سے دُور فرما دیا۔ قوموں کی تاریخ میں صرف یہ ایک واقعہ ہے کہ عذاب کے آثار نمودار ہونے کے بعد عذاب ٹل گیا۔

”فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا“

(یونس: ۹۸)

یعنی صرف حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ایسی تھی، جس نے آخر میں توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ عذاب دُور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔

سیّد الاستغفار کی کثرت کریں

اگر آج ہم توبہ و اِستغفار کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس پیغام کو پھیلائیں کہ ہر شخص توبہ و اِستغفار کی طرف متوجہ ہو تو کچھ بعید نہیں کہ دیکھتے دیکھتے حالات بدل جائیں، اور سیّد الاستغفار جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے، وہ ہر مسلمان کو یاد کرنا چاہیے اور اس کو اپنا وظیفہ بنانا چاہیے، وہ سیّد الاستغفار یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ، خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ، وَاَنَا عَلٰی عَهْـدِكَ وَوَعْـدِكَ مَـا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْـمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (صحیح بخاری)

ترجمہ:- اے اللہ! تو ہی میرا رَبّ (یعنی مالک ومولا) ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا، میں تیرا بندہ ہوں، اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت وفرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے، میں اِقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا، اور اِعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے، اے میرے مالک ومولا! تو مجھے معاف فرمادے اور میرے گناہ بخش دے، تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔

فرمایا کہ کوئی شخص کیسے ہی گناہوں کا انبار لے کر آجائے، اس اِستغفار کی

برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اس اِستغفار کو اپنا شعار بنائیں، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، اور ہر نماز کے بعد اس کا وِرد کریں، اور دُوسروں تک اس بات کو پہنچائیں۔ یہ تیسری بات تھی۔

بدعملی دُور کرنے کی فکر پیدا کریں

چوتھی بات یہ ہے کہ جب ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سب ہماری بداعمالی کا نتیجہ ہے تو پھر اس بداعمالی کو دُور کرنے کی ایسی فکر پیدا کریں جیسے کہ کوئی بیماری اِنسان کو لگ جائے تو جب تک اس کا علاج نہ کرائے، اس وقت تک چین نہیں آتا، مثلاً اگر کسی کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے تو جب تک وہ دوا نہیں کھالے گا، اور جب تک اس کا علاج نہیں کرلے گا، اس وقت تک اس کو چین نہیں آئے گا، اور اس درد میں تڑپتا رہے گا، اسی طرح جب ہم کو یہ بداعمالی کی بیماری لگی ہوئی ہے تو اس وقت تک چین نہیں آنا چاہیے جب تک کہ ہم اپنی اصلاح کی طرف اس طرح متوجہ نہ ہو جائیں جس طرح ایک غلیظ بیماری سے نجات پانے کے لیے علاج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اپنی نماز کا جائزہ لو!

اس اِصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لو کہ کہاں کہاں میں گناہوں میں، غلطیوں میں، خطاؤں میں گھرا ہوا ہوں، عبادتوں میں کہاں کہاں کوتاہی ہو رہی ہے؟ نماز جس طرح پڑھنی چاہئے، ویسی پڑھ رہا ہوں یا نہیں؟ نماز باجماعت کی پابندی کر رہا ہوں یا نہیں؟ نماز میں خشوع خضوع کا

اہتمام ہے یا نہیں؟ اس طرح جائزہ لے کر دیکھو گے تو اپنی عبادتیں بھی خطاؤں کا مجموعہ نظر آئیں گی، پھر ان کو دُرست کرنے کی فکر پیدا کرو۔

اپنے معاملات اور معاشرت کا جائزہ لو!

اس کے بعد اپنے معاملات کا جائزہ لے کر دیکھو کہ جو کمائی کر رہا ہوں، وہ حلال ہے یا حرام ہے، کوئی پیسہ حرام کا تو نہیں آ رہا ہے؟ اس کے بعد اپنی معاشرت کا جائزہ لے کر دیکھو کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ میں ویسا ہی حسنِ سلوک کر رہا ہوں جیسا کہ قرآنِ کریم نے بتایا، یا جس کی تلقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، یا اس حسنِ سلوک میں کوتاہی کر رہا ہوں، اگر کوتاہی ہے تو اس کو دُور کرو۔ بیوی بچوں کے ساتھ، بہن بھائیوں کے ساتھ میرا کیسا سلوک ہے، ان کے جو حقوق ہیں وہ میں ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ دُوسرے مسلمانوں کو اور دُوسرے انسانوں کو میرے کسی عمل سے، کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچ رہی ہے؟ میں کسی کو ستا تو نہیں رہا ہوں؟ میرے مال پر جو حقوق اللہ تعالیٰ نے عائد کئے ہیں، مثلاً زکوٰۃ، صدقات وغیرہ پوری طرح ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ یہ ساری باتیں سوچ سوچ کر اپنے دِل میں بٹھالو، اور ان کا جائزہ لو۔

اپنے گناہوں کی فہرست بنا کر پھر ایک ایک کو دُور کرنے میں لگ جاؤ

ہمارے حضرتِ والا فرمایا کرتے تھے کہ جب تم جائزہ لو گے تو تمہیں اپنی غلطیاں اور خامیاں نظر آئیں گی، تم ان کی ایک فہرست بنالو کہ میرے اندر یہ یہ خرابیاں ہیں، مجھے ان کو دُور کرنا ہے، اور پھر اس کو دُور کرنے کی فکر میں لگ جاؤ،

کوئی قدم تو آگے بڑھاؤ۔ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں، غیبت کرتا ہوں، یا دِل آزاری کی باتیں کرتا ہوں، یا کہیں غلط بیانی تو میں نہیں کرتا، یا تحقیق کے بغیر تو کوئی بات نہیں کرتا، اس لیے کہ تحقیق کے بغیر بات کہنا بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے، اس کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، خاص طور پر آج کل کے ماحول میں جس میں افواہوں کا ایک طوفان پھیلا ہوا ہے، ایک شخص نے ایک بات کہی، اور آپ نے سوچے سمجھے بغیر اور تحقیق کے بغیر آگے چلتا کر دیا، ایسا کرنا حرام ہے۔

ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو

یہ سب گناہ ہیں، جنہوں نے ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، ان سب کا جائزہ لے کر ان کی فہرست بناؤ، اور پھر ان سے نجات حاصل کرنے کی عملاً کوشش کرو، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرو کہ اے اللہ! مجھے اس سے نجات دیدے۔ یہ چوتھا کام ہے، جو سب سے اہم کام ہے۔ ہم سب یہاں جو جمع ہوتے ہیں، وہ اسی مقصد کے لئے جمع ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بُرائیوں پر مطلع اور متنبہ فرمادے، اور اس کی اِصلاح کی فکر پیدا ہو جائے۔

اللہ کا عذاب دُور کرنے کے لیے یہ کام کرنا ہوگا

یہ سب باتیں میں کہہ رہا ہوں، آپ حضرات سن رہے ہیں، لیکن بکثرت یہ ہوتا ہے کہ سن کر پھر دامن جھاڑ کر چلے جاتے ہیں، اور جب عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ بھائیو! اب اس کی گنجائش باقی نہیں رہی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے عذاب کو اگر دُور کرنا ہے تو یہ کام کرنا ہی ہوگا،

اپنے اعمال کو دُرست کرنا ہوگا، گناہوں سے بچنا ہوگا، یہ آنکھ کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے کچھ پابندیاں لگائی ہیں کہ نامحرَم کو لذّت لینے کی غرض سے نہ دیکھو، جائزہ لو کہ اس آنکھ کا کتنی مرتبہ غلط استعمال ہوتا ہے، اگر ہوتا ہے تو اپنے آپ کو اس سے بچاؤ۔ کان کا غلط استعمال، زبان کا غلط استعمال، اگر جائزہ لیں گے تو نظر آئے گا کہ بہت سے گناہوں کے اندر ہم لوگ ملوّث ہیں، کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

دِل کو چیرا تو بہت کام رفو کا نکلا

یعنی پہلے تو یہ سمجھ رہے تھے کہ تھوڑا سا معاملہ ہوگا، لیکن دِل کو چیرا تو بہت کام نکل آیا، بہت سی خامیاں اور خرابیاں نظر آئیں۔ لہٰذا جب ہم حقیقت پسندی سے اپنا جائزہ لیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے دِین پر عمل کرنے کے لیے جائزہ لیں گے تو پھر بہت سی چیزیں نظر آئیں گی، اور پھر ان کی اِصلاح کی تدبیر کرنی ہوگی۔

فتنے کے دور کی چار علامات جو ظاہر ہو چکی ہیں

حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فتنوں کا دور آجائے، جس کی تفسیر حدیث میں اس طرح فرمائی کہ:

"اِذَا رَاَیْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِىْ رَأْيٍ بِرَأْيِهٖ، فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ، وَدَعْ عَنْكَ اَمْرَ الْعَامَّةِ"

(ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب الأمر والنهى)

یعنی جب تم یہ دیکھو کہ لوگ مال کی محبت کے پیچھے چل رہے ہیں، اور

خواہشاتِ نفس انسان کی رہنما بنی ہوئی ہیں، اور ہر کام خواہشِ نفس کی بنیاد پر ہو رہا ہے، اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دی جا رہی ہے، اور ہر اِنسان اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہے، دُوسرے کی بات سننے کو تیار نہیں۔ یہ چار علامتیں فتنے کے دور کی بیان فرمائیں۔ ایسا لگتا ہے جیسا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے ماحول کی تصویر کھینچ دی ہے۔ آج لوگ مال کے پیچھے لڑ رہے ہیں، اور خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں، اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہیں، آخرت ملے یا نہ ملے، لیکن دُنیا کا کچھ فائدہ مل جائے، اور ہر شخص اپنی رائے کے گھمنڈ میں مبتلا ہے، جب یہ چار باتیں پیش آجائیں تو فرمایا ایسے موقع پر تم اپنی اِصلاح کی فکر میں لگ جاؤ، اور دُوسرے لوگوں کی طرف دیکھنا چھوڑ دو۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

کیونکہ ایسے حالات میں آدمی دُوسروں کی خرابیاں بیان کرتا رہتا ہے، اور اپنے آپ سے غافل رہتا ہے، اس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر اور خرابیاں اور بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں، لیکن ایسے موقع پر اگر اِنسان اپنی اِصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے، اپنے آپ کو دُرست کرنے کی فکر کرلے تو اگر کم از کم ایک آدمی سنور گیا تو ایک چراغ جل گیا، اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، اور وہی اُجالا پھیلا دیتا ہے، اور رفتہ رفتہ حالات بدل جاتے ہیں، لہٰذا دُوسروں کی فکر چھوڑ کر اپنی اِصلاح کی فکر کرو۔ آج کے دور کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی پیغام ہے۔ بہرحال چوتھی بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اِصلاح کی فکر میں لگ جائے،

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر اپنا جائزہ لے، اور پھر جہاں جہاں خامیاں اور خرابیاں نظر آئیں، ان کو دُور کرنے کی فکر کرے۔

آیتِ کریمہ کی کثرت کریں

پانچویں بات یہ ہے کہ دُعا کی کثرت کریں، اور رُجوع الی اللہ کی کثرت کریں، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، ہر آن ہر لمحے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اور اس سے مانگو، اس سے دُعائیں کرو، اور آیتِ کریمہ:

"لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"

کا کثرت سے وِرد کرو۔ ہمارے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ قرآنِ کریم نے اس طرح بیان فرمایا کہ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تھے، آپ اندازہ کریں کہ کوئی زندہ انسان مچھلی کے پیٹ میں چلا جائے، اس کے اُوپر کیا کیفیت گزرے گی، اندھیرا، ظلمتیں، گھناؤنا ماحول، گھٹن کا ماحول، ایسے پریشان کن ماحول میں حضرت یونس علیہ السلام نے ہمیں پکارا، کن الفاظ سے پکارا؟

"لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"

یعنی اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے، میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا، اور میں نے ہی اپنے اُوپر ظلم کیا تھا، جس کے نتیجے میں آج میں یہاں سزا بھگت رہا ہوں۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ:

"فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ" (سورۃ الأنبیاء:۸۸)

یعنی اس پکارنے کو ہم نے قبول کرلیا، اور اس کے بعد ہم نے اس کو اس گھٹن سے نجات عطا فرمادی۔

کیا ہر مؤمن مچھلی کے پیٹ میں جائے گا؟

آگے ایک عجیب جملہ اِرشاد فرمایا:

"وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۃ الأنبیاء:۸۸)

کہ اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔ ہمارے حضرتِ والا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا فرمادیا کہ ہم مؤمنین کو بھی اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ کیا دُوسرے مؤمنین مچھلی کے پیٹ میں جائیں گے؟ اور وہاں جب اس طرح پکاریں گے تو پھر ان کو بھی اسی طرح نجات مل جائے گی؟ ظاہر ہے کہ ہر مؤمن تو مچھلی کے پیٹ میں جانے والا نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جاکر ظلمتوں اور تاریکیوں اور اندھیریوں میں گھر گئے تھے، اسی طرح دُنیا کے اندر رہتے ہوئے تم بھی نہ جانے کتنی اندھیریوں میں گھرو گے، کبھی باطل کی اندھیریاں ہوں گی، کبھی گمراہی کی اندھیریاں ہوں گی، کبھی خانہ جنگیوں کی اندھیریاں ہوں گی، کبھی مصائب و آلام کی اندھیریاں ہوں گی، ان سب اندھیریوں میں تمہارا وظیفہ یہ ہونا چاہئے کہ:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"

ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کو پکاروگے تو اللہ تعالیٰ آئندہ بھی مؤمنوں کو نجات دیتے رہیں گے، لہٰذا اپنی بدعملیوں کا اِستحضار کرتے ہوئے اس آیتِ کریمہ کا کثرت سے وِرد ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کا اِہتمام ہو تو اِن شاء اللہ، ثم اِن شاء اللہ حالات بدلیں گے، اور ضرور بدلیں گے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور اس کی

سنت سے یہی توقع ہے، اور یہی اُمید رکھنی چاہیے۔

ہم نے اپنا کام کرلیا تھا

ورنہ کم از کم اتنا تو ضرور ہوگا کہ ان حالات میں جس طرزِ عمل کا ہم سے مطالبہ ہے وہ ہم نے ادا کر دیا، اور کم از کم اللہ تعالیٰ کے حضور جا کر بندہ یہ کہہ سکے گا کہ یا اللہ! ان حالات میں آپ نے جن باتوں کی ہدایت عطا فرمائی تھی، ہم نے اس پر عمل کرنے کی اپنی سی کوشش کرلی، باقی نتائج تو آپ کے اِختیار میں ہیں، انسان کے اِختیار میں نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

دُعائیں

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

یا ارحم الراحمین! اپنے فضل و کرم سے ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما، چھوٹے بڑے، خفیہ علانیہ، اگلے پچھلے، ہر طرح کے گناہوں کو معاف فرما، اے اللہ! ہماری شامتِ اعمال کو اپنے فضل سے دُور فرما، اے اللہ! ہمیں اپنی اِصلاح کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہمارے اعمال و اخلاق کی اِصلاح فرما، اے اللہ! ہمیں دِین کی صحیح سمجھ عطا فرما، اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، اس پر اِستقامت عطا فرما، اے اللہ! اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! اپنے دِین کی عظمت و محبت ہمارے دِلوں میں راسخ فرما، اے اللہ! اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر محبت پر غالب فرمادے، اے اللہ! اپنی

رحمت سے اپنی اطاعت کی ہمت اور حوصلہ عطا فرما، گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما، ہم بے ہمت ہیں، ہمت عطا فرما، بے حوصلہ ہیں، حوصلہ عطا فرما، اے اللہ! ہر قسم کے فتنے اور شر سے ہماری، اور ہمارے گھر والوں کی، متعلقین، احباب سب کی حفاظت فرما، ہمیں منکرات اور معصیتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! حاضرین اور حاضرات کو ان کے تمام جائز مقاصد میں کامیابی عطا فرما، اے اللہ! سب کی پریشانیوں کو دُور فرما دے، سب کی مشکلات کو آسان فرما دے، اے اللہ! ہم میں اور ہمارے متعلقین میں جو بیمار ہیں ان کو شفائے کامل و عاجل عطا فرما، جو تنگ دست ہیں ان کی تنگ دستی کو دُور فرما، جو پریشان حال ہیں ان کی پریشانیوں کو رفع فرما۔

اے اللہ! ہمارے ملک میں جو بدامنی اور خانہ جنگی پیدا ہوگئی ہے، اپنی رحمت سے اور اپنے فضل وکرم سے اس کو دُور فرما، اے اللہ! امن وامان عطا فرما، عافیت واستقرار عطا فرما، اے اللہ! ہر قسم کے فتنے اور شر سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے حکومتِ عادلہ عطا فرما۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، آمِيْنَ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اللہ والوں کی پہچان

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد نمبر۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ والوں کی پہچان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔اما بعد : عَنْ اَسْمَاءِ بِنْتِ یَزِیْدٍ قَالَتْ : قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ؟ قَالُوْا بَلٰی : قَالَ اَلَّذِیْنَ اِذَا رُءُ وْا ذُکِرَ اللّٰہُ، اَفَلَا اُخْبِرُکُمْ بِشِرَارِکُمْ؟ قَالُوْا بَلٰی :قَالَ اَلْمَشَّاءُ وْنَ بِالنَّمِیْمَۃِ، اَلْمُفْسِدُوْنَ بَیْنَ الْاَحِبَّۃِ ، اَلْبَاغُوْنَ الْبُرَآءُ الْعَنَتَ آمنت باللہ صدق اللّٰہ مولا نا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین والحمد للہ ربّ العٰلمین.

سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم سے بہت سی حدیثیں انہوں نے روایت فرمائی ہیں، وہ روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟ تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتائیے، فرمایا: تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی دیکھے تو ان کے دیکھنے سے اللہ یاد آئے۔ اللہ جل شانہ کے اولیاء کرام جو اللہ کے ولی ہوتے ہیں، ان کی حالت یہی ہوتی ہے کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے، اور یہ حالت کسی ایک زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے، صرف صحابہ کرام کے زمانے تک نہیں تھی، بلکہ قیامت تک ایسے لوگ انشاء اللہ باقی رہیں گے، جن کو دیکھنے سے خدا یاد آئے گا۔

یہ بات اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے، صبح وشام اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے تو اس کے ظاہر اور اس کے چہرے میں، اس کی چال ڈھال میں، اس کی نقل وحرکت میں اور اس کی ایک ایک ادا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر سما جاتا ہے، اور جب وہ سما جاتا ہے تو جو شخص بھی ان کو دیکھے گا اس کو بھی اللہ یاد آئے گا۔

صحابہ کرامؓ کا حال

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے تو شاید ایک ایک کا حال یہی تھا کہ ان کو دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا، نجانے کتنی مثالیں ایسی ہیں کہ لوگ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صرف صورت دیکھ کر مسلمان ہو گئے، اس واسطے کہ ان کی سیرت تو اعلیٰ ترین تھی، لیکن اس سیرت کے اثرات چہرے کے اوپر بھی نمایاں تھے، اس کے نتیجے میں جو دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ یہ اللہ کا بندہ ہے، اللہ کو یاد کرنے والا ہے، اور اس کو بھی اللہ یاد آ جاتا تھا، صحابہ کرام میں سے تقریباً سب ہی کا حال یہی تھا، بعد میں تابعین، تبع تابعین اور اولیاء کرام میں یہ سلسلہ چلتا رہا، اور ہمارے دور تک الحمدللہ چلتا آ رہا ہے، الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی زیارت کرائی ہے کہ جن کو دیکھنے سے واقعی اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے۔

یہ آدمی جھوٹا نہیں ہو سکتا

ہمارے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، لاہور میں ان کا ایک جگہ وعظ تھا، وہ حضرات جو علماء دیوبند کو (اللہ بچائے) برا بھلا کہتے ہیں، طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں، کفر تک کے فتوے لگا رکھے ہیں، ان میں سے ایک صاحب نے دل میں ارادہ کیا کہ چلو آج ان کا وعظ بھی سن کے آئیں، دیکھیں یہ کیا کہتے ہیں؟ کوئی انہی کا ہم مسلک تھا، اس نے کہا میاں کس بد دین کے پاس جا رہے ہو، وہاں جاؤ گے تو تمہارا عقیدہ خراب ہو جائے گا، اور تمہارے دین کو نقصان پہنچے گا، اس کے پاس مت جاؤ، مگر شاید اللہ تعالیٰ کو اس کے حق میں خیر ہی منظور تھی، اس نے کہا کہ میاں ہیں تو بد دین، مگر کبھی ان کی بات سننی تو چاہیے، دیکھیں کیا کہتے ہیں، وہ صاحب خود اپنا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں سننے کے لئے آ گیا تو ذہن میں یہ تھا کہ کوئی کافر ملحد بے دین قسم کا

بدعقیدہ آدمی آئے گا اور فاسد عقیدے والی باتیں کرے گا، کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ آکر وعظ کرنے کے لئے بیٹھے تو لوگوں نے بتایا کہ یہی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہی فوراً میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہ آدمی جھوٹا نہیں ہوسکتا، اس کو تو دیکھ کر ہی اللہ تعالیٰ یاد آتے ہیں تو پھر یہ جھوٹا نہیں ہوسکتا، کہتے ہیں کہ میں وعظ سننے کے لئے بیٹھا تو سارے گرد وغبار چھٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے بدعات اور شرک سے توبہ کی توفیق دی۔

یہ نعمت حاصل ہوتی ہے کسی اللہ والے کی صحبت اور زیارت سے اور بعض اوقات انسان کی زندگی کا رخ بدل دیتی ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے وہ تم میں سب سے بہتر لوگ ہیں۔

نفلی عبادات اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا حدیث قدسی کے طور پر کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ بعض اوقات نفلی عبادتوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، نفلی عبادتیں بڑی عظیم چیز ہیں، یہ معمولی چیز نہیں ہیں، ہم لوگ بعض اوقات یہ سوچ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ بھئی کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں، نفل ہی تو ہیں اور نفلی عبادتوں کی تعریف یہ ہوتی ہے کہ جس کے کرنے سے ثواب ملے اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں، یعنی اگر کوئی نفلی عبادت نہ کرے تو قیامت میں اس سے سوال نہیں ہوگا کہ تم نے فلاں نفل کیوں نہیں پڑھے تھے؟ فلاں نفلی عبادت کیوں نہیں کی تھی تو ہم لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ کوئی فرض

واجب تو ہے نہیں، اگر نہیں کریں گے تو گناہ بھی نہیں ہوگا، لہٰذا اس کی اہمیت محسوس نہیں کرتے اور اہمیت محسوس نہ کرنے کی وجہ سے لاپرواہی برتتے ہیں۔ لیکن خوب سمجھ لینا چاہیے کہ نفلی عبادات بڑی عظیم چیز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعے انسان کو بڑی ترقیات عطا فرماتے ہیں، حدیث قدسی میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے، اور جب کثرت سے نوافل پڑھتا ہے اور نفلی عبادتیں انجام دیتا ہے تو میرے قرب کا ایسا مقام اس کو حاصل ہو جاتا ہے کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس کی آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے میری مرضی کے مطابق دیکھ رہی ہے، اس کی زبان جو کچھ بول رہی ہے میری مرضی کے مطابق بول رہی ہے، اس کے ہاتھ جس طرف بڑھ رہے ہیں اور اس کے قدم جس طرف چل رہے ہیں، وہ سب میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔

جب کسی کی یہ حالت ہو جائے کہ اس کے ہاتھ اٹھتے ہی نہیں بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا کے، اس کے قدم بڑھتے ہی نہیں بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا کے، اس کی آنکھ اٹھتی ہی نہیں بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا کے، اور اس کی زبان بولتی ہی نہیں بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا کے، تو جب اس کی یہ کیفیت ہو جائے گی تو بتاؤ اس کو دیکھ کے خدا یاد آئے گا یا نہیں۔ یہ مقام حاصل ہوتا ہے نفلی عبادات کی کثرت سے۔

نفلی نماز زیادہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے

اور سب سے اعلیٰ درجہ نفلی عبادات میں نفلی نماز کا ہے، لہٰذا جتنی بھی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے نفلی نماز پڑھنی چاہیے، اس واسطے کہ نماز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ حالتِ سجدہ میں ہو۔ سجدے کی حالت میں پیشانی اللہ کے حضور زمین پر ٹکی ہوئی ہو تو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کا جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ اور کسی وقت میں انسان کو حاصل نہیں ہوتا، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے سورۃ العلق کے آخر میں جو جملہ ارشاد فرمایا ہے وہ بڑا پیارا اور مزے کا جملہ ہے، ویسے تو سارا ہی کلام پیارا ہے مگر وہ تو بہت ہی پیارا جملہ ہے فرمایا: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ. کہ سجدہ کرو اور میرے پاس آجاؤ۔ یہ سجدے کی آیت ہے سب حضرات بعد میں سجدہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ بندے سے فرمارہے ہیں کہ اے میرے بندے! تو کہاں اور میں کہاں لیکن ایک راستہ تجھے بتاتا ہوں کہ جب تو وہ کام کرے گا تو میرے پاس آجائے گا اور میرے قرب کا مقام تجھے حاصل ہو جائے گا، وہ یہ ہے کہ سجدہ کر اور میرے پاس ہو آجا، یہ مقام اللہ تبارک وتعالیٰ نے سجدہ کو دیا ہے۔

نماز مؤمنوں کی معراج ہے

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں بلایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کا فاصلہ طے کر کے اور

سات آسمانوں کا فاصلہ طے کر کے اتنے اوپر تشریف لے گئے کہ ایک مرحلے پر جا کے جبرائیل امین بھی کہہ گئے کہ میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، آگے میری حد ختم، اب آپ ہی آگے جاسکتے ہیں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس آنے لگے تو گویا زبان حال سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ یا اللہ! مجھے تو آپ نے معراج کا اور اپنے قرب کا یہ مقام بخش دیا لیکن میری امت کا کیا بنے گا، میری امت یہ مقام کیسے حاصل کرے گی؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پانچ نمازوں کا تحفہ دیا کہ یہ لے جاؤ اور اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ آپ کی امت کا جو بندہ اور بندی یہ نماز پڑھے گا، پھر نماز میں جب سجدہ کرے گا تو اس کی استعداد کے مطابق اس کو معراج حاصل ہوگی اسی واسطے فرمایا کہ: اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ. نماز مؤنوں کی معراج ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

جب یہ پیشانی اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کے ٹیک دی تو یہ پیشانی اور کہیں نہیں ٹکے گی، یہ مقام اللہ تبارک وتعالیٰ نے سجدہ کو بخشا ہے۔

سجدہ کے آگے ساری لذّتیں ہیچ ہیں

حضرت مجذوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بڑے اچھے شاعر بھی تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں جب سجدے میں سر رکھ دوں تو زمین کو آسمان کر دوں، یعنی جب سجدے میں سر رکھ کے اللہ تعالیٰ سے مناجات کا

سلسلہ شروع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا سلسلہ شروع ہو جائے، تو یہ زمین بھی آسمان ہو جاتی ہے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے سر رکھ دیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ جن کو اس سجدہ کی لذت سے اللہ تعالیٰ نے آشنا فرمادیا ہے، ان کے لئے اس سجدے کے مقابلے میں ساری دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہیں، اس واسطے نوافل اور نوافل میں بھی نفلی نماز جس میں لمبے سجدے ہوں اور زیادہ ہوں وہ انسان کا اللہ تعالیٰ کے قریب جانے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

نفلی عبادات کسے کہتے ہیں؟

لیکن نفلی عبادتیں نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وہ کام جو اللہ جل جلالہ کی رضا کا کام ہو وہ سب اسی حکم میں داخل ہے، حدیث میں آتا ہے کہ کسی مسلمان کے ساتھ کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے، لہٰذا تم اگر کسی کے ساتھ حسن اخلاق اور بشاشت کے ساتھ اس نیت سے مل رہے ہو کہ میں یہ کام اللہ جل جلالہ کی رضا کی خاطر اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع میں کر رہا ہوں تو اس سے بھی قرب حاصل ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ، ایک مومن کے لئے طاعات غیر متناہی ہیں، کیونکہ ان کی کوئی گنتی نہیں ہے، اگر انسان اپنی زندگی کو اتباع سنت کے سانچے میں ڈھال لے تو اس کا ایک ایک لمحہ طاعت ہے، کوئی لمحہ طاعت سے خالی نہیں یہاں تک کہ جو گھر میں کھا رہا ہے اور پی رہا ہے وہ بھی طاعت ہے، گھر والوں سے باتیں کر رہا ہے وہ بھی طاعت ہے، جب یہ سب چیزیں طاعت ہیں تو ان سب سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

نفلی عبادات کرنے والا مجسم دعوت ہوتا ہے

نفلی عبادات اور طاعات کے ذریعے جتنا انسان اللہ کے قریب ہوتا جاتا ہے، اتنی اس میں یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے کہ اسکو جو دیکھتا ہے اس کو اللہ یاد آتا ہے، اور جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ دیکھنے سے اللہ یاد آئے تو وہ آدمی مجسم دعوت ہوتا ہے، مجسم تعلیم ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر دین کی دعوت اور دین کی تعلیم خود بخود پہنچتی ہے، اس کے نامہ اعمال میں اور اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایسا بننے کی کوشش کرو

جو بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں، یہ محض ایک واقعہ کے طور پر نہیں ہے، بلکہ ہم سب کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ ایسا بننے کی کوشش کرو، اور کوشش کا راستہ وہی ہے جو میں نے عرض کیا ہے، یعنی کثرت نوافل اور کثرت طاعات اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے مختلف اسباب کو اہتمام اور پابندی کے ساتھ اختیار کرنا، پھر آگے حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟

کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں بدترین لوگ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ بھی بتائیے کہ سب سے بدترین کون لوگ ہیں تو فرمایا سب سے بدترین لوگ وہ ہیں جو چغلی کھانے والے ہیں، اور اِدھر کی بات اُدھر نقل کرنے والے، اور محبت کرنے والوں میں فساد پھیلانے والے، یعنی جو آپس میں محبت

کرنے والے لوگ ہیں ان کے درمیان کوئی ایسا فتنے کا بیج بودیا یا کوئی ایسی بات نقل کردی جس سے دلوں میں عداوتیں پیدا ہوگئیں اور دلوں میں کدورت آگئی، جس سے تعلقات میں بال پڑ گیا۔ اور بے گناہ اور بے عیب لوگوں میں فساد تلاش کرنے والے۔ یعنی جو بے چارے اچھے خاصے بے گناہ آدمی ہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ یہ بے گناہ جو ہیں یہ بدنام ہو جائیں، اور لوگ ان کو برا سمجھیں اور پھر اس کی خاطر کوئی ایسا کام کیا جس سے لوگوں کے دلوں میں ان کی برائی آگئی۔

چغلی کھانا شراب اور زنا سے بدتر ہے

دیکھیں! گناہ تو بہت سارے ہیں، شراب پینا بھی گناہ ہے، زنا کرنا بھی گناہ ہے، خنزیر کھانا بھی گناہ ہے، جھوٹ بولنا رشوت کھانا سود کھانا بھی یہ سب گناہ ہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ تم میں سب سے بدترین لوگ وہ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں، اور لوگوں کے درمیان فساد پھیلاتے ہیں، کیونکہ یہ شراب، زنا وغیرہ ہیں تو برے سخت گناہ۔ اللہ ہر مومن کو ان سے بچائے۔ لیکن ان کا اثر انسان کی اپنی ذات کی حد تک محدود ہے، ایک آدمی۔ اللہ بچائے۔ نشہ کرتا ہے، یہ ہے تو بہت سخت کبیرہ گناہ، لیکن اس کا جو کچھ اثر ہے، وہ اس کی ذات تک محدود ہے۔ العیاذ باللہ۔ کوئی بدکاری میں مبتلا ہے، یہ بہت ہی سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حفاظت میں رکھے۔ قرآن نے فرمایا کہ انسان زنا کے قریب بھی نہ بھٹکے، لیکن جو کچھ بھی ہے، وہ اس کی ذات کی حد تک ہے۔ اللہ بچائے۔ کوئی سور کھا رہا ہے، وہ اس کی ذات کی حد تک ہے، لیکن دوسرے کی چغلی کھانا اور لگائی

بھائی کرنا کہ اِدھر کی بات اُدھر پہنچادی اور ادھر کی ادھر پہنچادی تاکہ لوگوں کے درمیان فساد پھیلے، ایک دوسرے کے دل خراب ہوں اور محبت کرنے والوں کے درمیان سے محبت ختم ہو جائے، یہ بدترین قسم کے لوگوں کا کام ہے، ذرا غور کریں یہ وہ چیز ہے جس نے ہمارے معاشرے کے اندر فساد پھیلایا ہوا ہے، اس نے وہ برا حال کیا ہوا ہے کہ ﴿الامان والحفیظ﴾ اچھے خاصے لوگ ہیں جو دوسرے کے سامنے جاکے کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتے ہیں کہ جس سے دوسرے کے دل میں بال پڑ جاتا ہے۔

صلح کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے

حضرت شیخ سعدیؒ یہاں تک فرما گئے ہیں کہ:

دروغ مصلحت آمیز بیح از راشیه فتنه انگیز

اگر دو مسلمان کے درمیان صلح کروانے کے لئے جھوٹ بولنا بھی پڑے تو وہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ایسا سچ بولو جس سے فتنہ ہو۔ وہاں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ دو مسلمانوں کے درمیان اگر لڑائی ہے یا آپس میں کوئی ناچاقی ہے تو اس ناچاقی کو دور کرنے کیلئے کوئی بھی ایسے الفاظ استعمال کر لینا جائز ہے جس سے دوسرے کی طرف سے آدمی کا دل خوش ہو جائے، مثلاً فقہا کرام نے فرمایا کہ تم اس سے کہو کہ جس سے تمہاری ناچاقی ہے وہ تو تمہارے حق میں دعا کرتا ہے اور دل میں یہ نیت کر لے کہ ہر مسلمان نماز کے اندر ''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ'' کہتا ہے تو اس کے اندر ہر مسلمان کے لئے دعا ہوگئی اور جب ہر مسلمان کے لئے

ہوگئی تو اس کے لئے بھی ہوگئی۔ تو ایسے کہنے سے کہ وہ تو تمہارے لئے دعا کرتا ہے، اس کے دل میں اس کی قدر ہوگی کہ میں تو اس کو برا سمجھتا ہوں اور وہ میرے حق میں دعا کرتا ہے، تو اس سے اس کے دل میں محبت پیدا ہوگی، آدمی دوسروں کے درمیان بگاڑ پیدا کرنے کے لئے سچ بھی بولے تو بھی گناہ ہے، کیونکہ بات اگرچہ صحیح ہے لیکن اس سے مقصود بگاڑ پیدا کرنا ہے، اس سے اصلاح مقصود نہیں ہے، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ یہ بدترین لوگ ہیں۔ بعض لوگوں کی طبیعت میں۔ اللہ معاف فرمائے۔ یہ بات ہوتی ہے کہ ان کو دو آدمیوں کا محبت سے رہنا گوارہ نہیں ہوتا، ہضم نہیں ہوتا جہاں دیکھا کہ دو آدمیوں کے درمیان آپس میں محبت ہے تو کسی نہ کسی کو ڈنک ضرور ماردیں گے، کوئی بات ایسی کہہ دیں گے جس سے ان میں سے ایک کا دل دوسرے کے حق میں برا ہو جائے۔ اللہ بچائے

نقصان سے بچانے کے لئے چغلی جائز ہے

لیکن اگر کسی شخص کی برائی کرنی پڑ جائے دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ نہ غیبت ہے، نہ چغلی ہے، مثلاً آپ کو معلوم ہوگیا کہ ایک آدمی منصوبہ بنارہا ہے دوسرے کے گھر چوری کرنے کا یا ڈاکہ ڈالنے کا یا دوسرے کو کوئی اور نقصان پہنچانے کا، تو دوسرے کو بتانا ثواب ہے، کیونکہ مسلمان کو تکلیف سے بچانا ثواب ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، یہ نہ غیبت ہے نہ چغلی ہے نہ جھوٹ ہے نہ اتہام ہے نہ کچھ اور ہے، بالکل جائز ہے، بلکہ واجب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن مومن کا بھائی ہے، نہ مسلمان بھائی پر ظلم

کرتا ہے، نہ اس کو ظلم کی حالت میں بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، لہٰذا جب پتہ چلے کہ کسی مسلمان بھائی پر ظلم ہونے والا ہے تو پہلے سے اس کو بتانا واجب ہے، یہ چغلی نہیں ہے، چغلی اس وقت ہوتی ہے کہ جب اس کا مقصد کسی کو نقصان سے بچانا نہیں ہوتا، بلکہ مقصد صرف دلوں میں شگاف پیدا کرنا ہوتا، مقصد صرف لڑائی کرانا ہوتا، مقصد صرف دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچانا ہوتا تو یہ ہے چغل خوری جو سخت ترین عذاب کا موجب ہے- العیاذ باللہ العظیم-

شیطان کے چیلوں کا کام

اس کے لئے آپ نے دو جملے ارشاد فرمائے، پہلا جملہ یہ ہے کہ جو چغلی کھاتے ہیں اور چغلی کھانے کو مشغلہ بنائے ہوئے ہیں اور محبت کرنے والوں کے درمیان فساد ڈالنے والے ہیں، خاص طور سے میاں بیوی کے درمیان فساد ڈالنا، یعنی بیوی کے دل میں میاں کی برائی اور میاں کے دل میں بیوی کی برائی پیدا کر دینا، یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے اور اس پر بہت شدید وعید آئی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ ابلیس شیطان جس کا کام ہی یہی ہے لوگوں کو ورغلانا، اس نے اپنے چیلے اور ہرکارے ساری دنیا میں دوڑائے ہوئے ہیں اور اسی کام کے لئے دوڑائے ہوئے ہیں کہ جاکر مسلمانوں کو ان کے راستے سے ہٹاؤ اور ان کو بہکاؤ اور غلط راستے پر ڈالو اور گمراہ کرو، اس کا پورا ایک لشکر ہے جو اسی کام کے لئے پھر رہا ہے، وہ کچھ تو جنات شیاطین ہیں اور کچھ انسان کے روپ میں بھی ہیں جو یہ کام کرتے ہیں- العیاذ باللہ-

شیطان کا سمندر میں دربار منعقد کرنا

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کچھ کچھ وقفے کے بعد اپنا ایک دربار سمندر میں منعقد کرتا ہے تو اس کے جتنے چیلے ہیں ان کو بلایا جاتا ہے، دعوت دی جاتی ہے، ابلیس ایک تخت پر تشریف فرما ہوتا ہے اور وہاں سب چیلے جمع ہوتے ہیں تو شیطان سب سے پوچھتا ہے کہ تم نے کیا کیا کارنامے انجام دیے؟ تو اس کے جتنے چیلے ہوتے ہیں، ہر ایک کھڑا ہو کے اپنے اپنے کارنامے بتاتا ہے، کوئی کھڑا ہو کے یہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی نماز پڑھنے جارہا تھا، میں نے اسکے دل میں ایسی بات ڈالی کہ وہ نماز سے پھر گیا، شیطان کہتا ہے کہ اچھا کیا تو نے، دوسرا کہتا ہے کہ فلاں آدمی ذکر کرنا چاہتا تھا، میں نے اس کو دنیا کے کام میں ایسا لگایا کہ وہ اس سے پھر گیا، شیطان کہتا ہے کہ تو نے بھی ٹھیک کیا، تیسرا کھڑا ہوتا ہے کہ فلاں آدمی قرآن پڑھنا چاہتا تھا میں نے اسکو بہکا دیا اور کسی دوسرے کام کی طرف لگا دیا، شیطان کہتا ہے کہ تو نے بھی ٹھیک کیا، یہاں تک کہ جب سب اپنی اپنی کارگزاری بتا دیتے ہیں تو ایک چیلا کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ دو میاں بیوی بڑے آرام سے اور محبت اور پیار سے رہ رہے تھے تو میں گیا اور میں نے جا کر دونوں کے درمیان ایسی بات کی کہ دونوں کے درمیان لڑائی ٹھن گئی اور اب دونوں کے درمیان بات چیت بند ہے، قریب ہے کہ دونوں الگ الگ ہو جائیں، تو شیطان اپنے تخت سے کھڑے ہو کر اس کو گلے لگا لیتا ہے کہ ہاں تو نے صحیح کام کیا اور اعلیٰ درجہ کا کام تو نے کیا، اور جتنے ہیں سب نے چھوٹے چھوٹے کام کیے لیکن میری

مرضی کا اصل کام تو کر کے آیا، یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

بدترین فساد میاں بیوی کے درمیان نا چاقی

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اور جتنے فساد ہیں وہ اپنی جگہ پر برے ہیں، لیکن بدترین فساد یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان نا چاقی پیدا کر دی جائے، اسی لئے اس میں بزرگوں کی تعلیم یہ ہے کہ بیوی کی بات شوہر سے اور شوہر کی بات بیوی سے نقل کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی بات تمہارے منہ سے نکل جائے جس سے شوہر کے دل میں بیوی کی برائی پیدا ہو جائے یا بیوی کے دل میں شوہر کی برائی پیدا ہو جائے یہ شیطانی حرکت ہے۔

دوسروں کے عیوب تلاش کرنے والے

اور دوسرا اجملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جولوگ دوسروں کے عیوب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بے چارہ کوئی بے گناہ معصوم آدمی ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، لیکن یہ لوگ اس فکر میں ہیں کہ اسکا کوئی عیب ہمیں پتہ چلے، کوئی برائی ہمیں پتہ لگے اور ہم اس کی نشر و اشاعت کریں اور اس کو پھیلائیں، یہ بھی بدترین لوگ ہیں۔

آج ہم ذلیل کیوں ہو رہے ہیں؟

اب آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ شریعت نے معاشرت (باہمی میل جول) کے جو احکام عطا فرمائیں ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کتنی تاکید فرمائی ہے، اور ہم لوگوں نے ان سب چیزوں کو دین سے خارج ہی

کر دیا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ نماز روزہ کرلیا، خاص قسم کی شکل اور وضع قطع بنالی تو دیندار ہوگئے، مگر اخلاق کیسے ہیں، معاملات کیسے ہیں، لوگوں کے ساتھ سلوک کیسا ہے اور فساد اور اصلاح کے معاملے میں کیا طرز عمل ہے، اسکا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زندگی کے ایک ایک شعبے اور گوشے کے بارے میں ہدایات عطا فرمائی ہیں لیکن آج ہم ذلیل وخوار ہیں، اس کی وجہ درحقیقت ان تعلیمات کو چھوڑنا ہے، یہ تعلیمات ہم نے چھوڑ دیں، اور اسکے نتیجے میں ہر جگہ پٹائی ہورہی ہے، صبح وشام پٹائی ہورہی ہے، بجائے اصلاح کرنے کے فساد پھیلانے پر لگے ہوئے ہیں، حسد ہے، بغض ہے، نفرتیں ہیں، عداوتیں ہیں، اور ایک دوسرے کے خلاف بغض بھرا ہوا ہے اس کے نتیجے میں ہم بھگت رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

بے حیائی پھیلانا بدترین گناہ ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو بے حیائی کی بات کہے اور وہ شخص جو اس بے حیائی کی بات کو پھیلائے، دونوں گناہ میں برابر ہیں، جیسے بے حیائی کی بات زبان سے نکالنا گناہ ہے، جیسے گالی دینا گناہ ہے، اسی طرح اس کو پھیلانا کہ فلاں آدمی یوں کہہ رہا تھا، یہ بھی گناہ ہے، یاد رکھو! جن چیزوں سے معاشرے کے اندر بے حیائی پھیلتی ہو جیسے فحش افسانے، فحش ناول، فحش قصے جو ہمارے معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے ہیں، یہ سب بے حیائی کی بات کرنے میں داخل ہیں، اسی طرح جو شخص فحش قسم کے مضامین لکھ رہا ہے یا فحش افسانے لکھ رہا ہے یا فحش ناول لکھ

رہا ہے، وہ بھی بے حیائی کی بات کر رہا ہے، اور گناہ گار ہے، اسی طرح اس کو پھیلانے والے، اس کو چھاپنے والے، اس کو تقسیم کرنے والے، اس کو بیچنے والے، اس کو مجلسوں میں سنانے والے، یہ سب گناہ میں برابر ہیں، کیونکہ ان کے عمل کی وجہ سے فحاشی پھیل رہی ہے، اور اس کے بارے میں قرآن حکیم نے بڑی سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ

کہ جو لوگ مسلمانوں کے اندر بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں، ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں دردناک عذاب ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ایڈز کی بیماری فحاشی کا سبب

اور یہ جو ساری دنیا میں ایڈز پھیل رہی ہے، یہ اسی فحاشی کا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی قوم میں فحاشی پھیلے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے ایسے امراض میں مبتلا فرمائیں گے کہ ان کا نام بھی ان کے آباء واجداد نے نہیں سنا ہوگا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے فرما گئے، اب ایڈز کا نام ہمارے آباء واجداد نے کبھی نہیں سنا تھا، تصور بھی نہیں تھا کہ ایڈز کیا چیز ہوتی ہے لیکن اب یہ بیماری عالمگیر ہوگئی۔ ارے اگر کہیں کوئی واقعہ خدانخواستہ پیش آجائے - العیاذ باللہ - تو اس واقعہ کو چھپانے کی ضرورت ہے، پردہ ڈالنے کی ضرورت ہے، مٹی ڈالنے کی ضرورت ہے،

تا کہ اس کا چرچہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کو اور اللہ کے رسول کو یہ پسند نہیں ہے کہ اس قسم کی باتوں کا چرچا ہو، اگر کسی نے غلطی کی ہے تو اس کو چھپا دو، کیونکہ چرچا کرنے سے معاشرے کے اندر خرابی پھیلتی ہے، اس لئے فرمایا کہ فحاشی کرنے والا جتنا گناہ گار ہے، اس فحاشی کا چرچا کرنے والا اور اس کو آگے بڑھانے والا بھی اتنا ہی گناہ گار ہے۔

فحاشی پھیلانے کی ذرائع بند کریں

ہمارے معاشرے کے اندر افسانے ہیں، ناول ہیں، ڈرامے ہیں، اور T.V اور V.C.R ہے، اور خدا جانے کیا کچھ ہے، اس کے ذریعے فحاشی کا بازار گرم ہے، اس کے ذریعے نسلوں کی نسلیں تباہ ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں نجات عطا فرمائے اس عذاب سے، اگر کوئی بے حیائی کی بات سننے میں آ بھی گئی تو اپنے تک محدود رکھو، آگے اس کو چلانے پہنچانے کی فکر نہ کرو، مزے لے لے کر اس کو بیان نہ کرو، کیونکہ اس سے فحاشی پھیلے گی، چرچا ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین